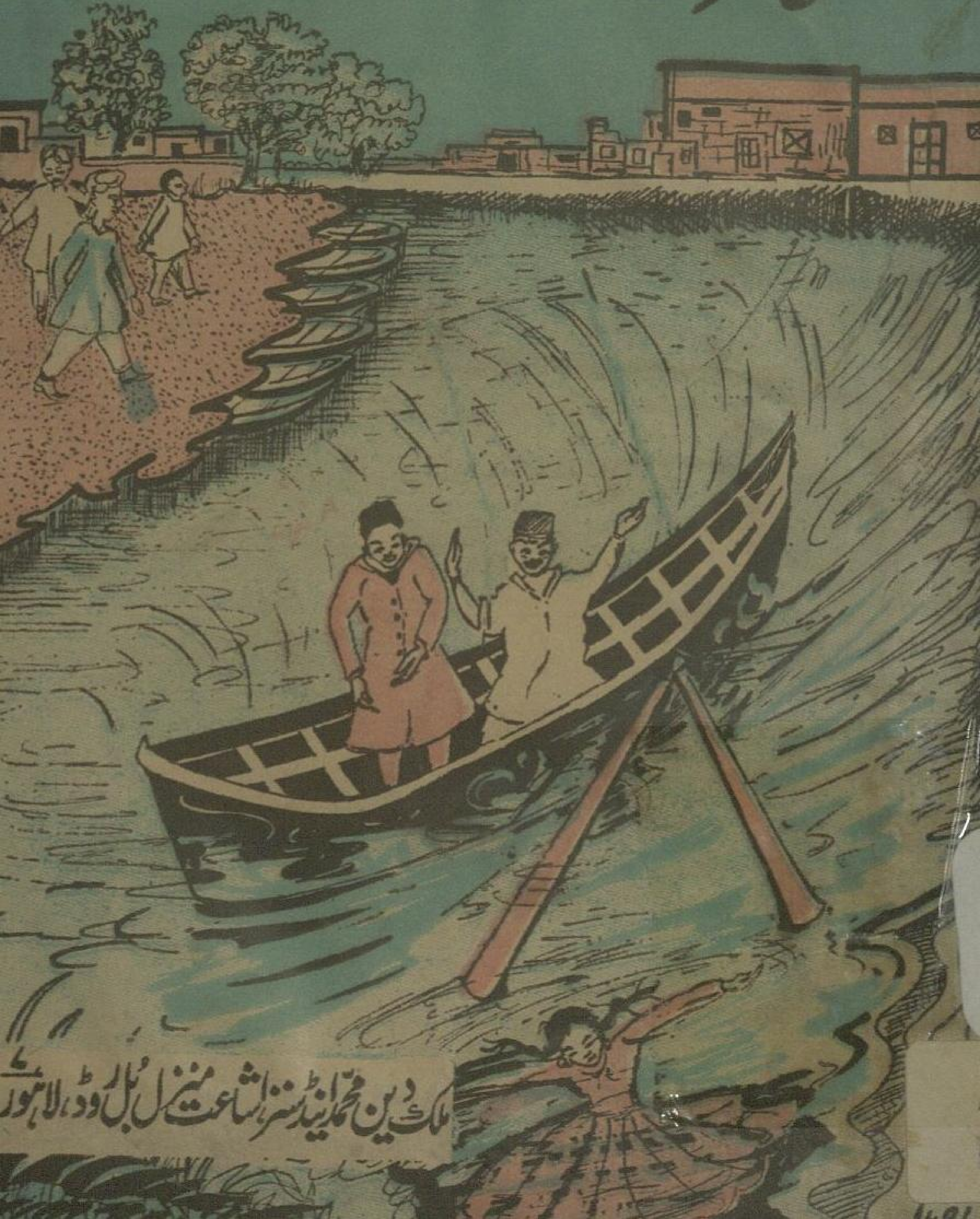
گھر بانو



ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ، لاہور

گهر بانو

ناشران : ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

طابع : ملک محمد عارف

مطبوعہ : دین محمدی پریس لاہور

قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقف ہے وہی جو روتا ہے آنکھوں سے رواں کیا ہوتا ہے
سب خون کے آنسو کہتے ہیں اک خوں کا دریا ہوتا ہے
موت کا پیغام اُن کی یاد ہے
دل کے ہاتھوں زندگی برباد ہے
بھائے نہ موہے کوک کوئلیا کو کو نہ کر
اٹھے ہے من ما ہوک کوئلیا کو کو نہ کر

گُہر بانو

(از ہار ہوس)

اصل ڈرامے کی مختصر اور موزوں صورت سینمائی پردوں کیلئے

مصنفہ

علامہ محمد اسحاق فاروقی رذلق مد ظلہ العالی
بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و ہائیکورٹ لاہور

دیباچہ

گوہر بانو کا عبرت انگیز ڈرامہ میں نے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء میں تصنیف کیا۔ اس ناچیز تصنیف کی غرض و غایت ان حقیقت کے آئینہ دار جذبات اور گوناگوں احساسات کا انکشاف ہے جو دنیا کے واقعات کو دیکھ کر مجھ ایسے رقیق القلب انسان کے دل میں پیدا ہوئے بغیر اور میری دنیائے سکون کو متزلزل کئے بغیر نہ رہ سکے اگرچہ اس ڈرامے کی داستان سطحی طور پر فرضی اور بے بنیاد ہے تاہم میں نے نقل کو اصل کا جامہ پہنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ میں نے اس ڈرامے کا جنت نشان قصر بے مصرف دولت اور بیزوال امارت کی اساس پر قائم کیا ہے۔ میں اس ڈرامے کی آڑ میں اس مجبول آثار عہد سلف پر لعل کے آنسو رویا ہوں جس میں ایک نوجوان کی ذاتی قابلیت اور اس کے ذاتی جوہر کے مقابلے میں دولت و ثروت کی کساد بازاری تھی۔ برعکس اسکے عصر حاضر میں ایک بدگوہر بدطینت نااہل لیکن صاحب ثروت انسان کو ایک فرشتہ خو ذی استعداد لیکن مفلس و قلاش انسان پر ترجیح اور غیر معمولی ترجیح دینا دانشمندانہ فعل سمجھا جاتا ہے باوجود اسکے کہ اس فعل کا انجام اب بھی وہی ہوتا ہے جس کا خیال ہمارے دور اندیش صائب الرائے اسلاف کو لرزہ براندام کر دیتا تھا۔ جہاں تک کہ ڈرامے کی زبان کا تعلق ہے مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ مناظر کا خاکہ کھینچنے میں میری فطرت نے مجھے رنگینیٔ عبارت پر مجبور کر دیا ہے تاہم مکالمہ عام فہم و بول چال ہے۔ اسی طرح بحیثیت ایک شاعر کے اردو اور ہندی اشعار کیلئے جو عام فہم ہیں اور موقع و محل کو مدنظر رکھ کر ڈرامے کے لئے خاص طور پر کہے گئے ہیں۔ دوسرے کا منت پذیر ہونا میری غیرتمند فطرت نے گوارا نہیں کیا۔ الحاصل ڈرامہ ہدیۂ ناظرین ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار:۔ محمد اسحاق فاروقی رونق عفی عنہ

اہلِ قلم کی منصفانہ رائے

شعبہ اردو - الہ آباد - ۴ فروری ۱۹۳۸ء
الہ آباد یونیورسٹی

مَیں نے "گھر بانو" سوشل ڈرامہ مصنفہ مسٹر محمد اسحاق بی۔اے کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ زبان سلیس اور طرزِ تحریر دلکش ہے۔ کیرکٹر اور پلاٹ حقیقی اور فطرتی معلوم ہوتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک نفیس ادبی تخلیق ہے۔ اور اسٹیج پر لائی گئی تو سامعین پر حسب منشا اخلاقی اثر پیدا کرنے میں ناکام نہ رہے گی۔

کیپٹن ایس - ایم ضامن علی - ایم - اے
صدر شعبہ اردو - الہ آباد یونیورسٹی۔

شعبہ اردو - الہ آباد یونیورسٹی ۲۴ جنوری ۱۹۳۸ء
ایس اعجاز حسین ایم - اے

مَیں نے "گھر بانو" مصنفہ محمد اسحاق کا تمام تر مطالعہ کیا ہے۔ میرا تاثر ہے کہ مصنف نے ہندوستان کے اخلاقی حالات حاضرہ سے سرسری آگاہی کے بعد اسے تصنیف کیا ہے مصنف نے آرٹ کی حد میں رہ کر مکالمہ اور کردار کی جانب خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔ زبان اگرچہ کہیں کہیں مصنوعی ہے۔ تاہم اس میں متانت پاکیزگی اور ادبی لگاوٹیں موجود ہیں مصنف نے بلا مبالغہ اس ڈرامے کی تصنیف میں بڑی جانفشانی سے کام لیا ہے جو مجھے یقین ہے کہ پبلک کو بہت مرغوب ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ یہ اسٹیج پر لایا جا سکے (اعجاز حسین)

ایم - اے صدیقی - ایم - اے - بی اے آنرز گولڈ میڈلسٹ کالونی - بی فل لیکچرار الہ آباد یونیورسٹی

مَیں نے ایک نو خیز ڈرامے "گھر بانو" مصنفہ مسٹر محمد اسحاق فاروقی بی - اے کا من و عن مطالعہ کیا ہے مسٹر فاروقی نے اسے ایک شگفتہ تر دماغ کی مدد سے تصنیف کیا ہے مَیں نے اس تصنیف کو اُردو ادب میں ایک عجیب و غریب اور لاثانی اضافہ قرار دیا ہے فی الحقیقت مصنف کو ڈرامائی آرٹ میں کمال حاصل ہے گھر بانو ایک سوشل ڈرامائی پارہ ہے جو ہندوؤں کے سوشل حالات حاضرہ سے پوری واقفیت کے بعد تصنیف کیا گیا ہے پلاٹ اور زبان بہترین طرز اور وقت کے مطابق ہیں محاورات کے پہلو بہ پہلو

زبان میں جگہ جگہ سلاست روانی موجود ہے اگر اسٹیج پر لایا گیا تو یہ ڈرامائی بارہ یقینی طور پر عینوں کبھی کو بھر ہوئے سینمائی ہالوں کی مسلسل زینت ہوگا میری بے لوث تمنا مصنف کے ہمراہ ہے فانی شاملکار ہے وابستہ ہے

ایم۔ اے۔ احمد نقی
الہ آباد یونیورسٹی ۵ ۲۔ جنوری ۱۹۳۸ء

میں نے ایک نوخیز ڈرامے "گھر بانو" مصنفہ مسٹر محمد اسحاق فاروقی بی۔ اے کا بغور اور تمام تر مطالعہ کیا ہے۔ مسٹر فاروقی نے نفاست کا مظاہرہ کیا ہے یہ کتاب جس کا پس منظر سوسائٹی کا ایک پیوستہ اور عمیق مطالعہ ہے انسانی فطرت کی اصلی رنگوں میں عکاسی کرتی ہے اور جب بیشتر تکملہ طرز تحریر زبان میں کوئی کسر نہیں رکھتی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ یہ ڈرامہ سینمائی پردوں کے لئے بڑی عمدگی سے اسٹیج پر لایا جا سکتا ہے۔ جہاں یہ سامعین کی کثیر تعداد کو متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں کتاب کی اس بہترین مقبولیت اور کامیابی کا بھی دل سے آرزو مند ہوں جس کی میرے احساسات کے مطابق وہ حد سے زیادہ مستحق ہے۔

ایم نعیم الرحمٰن لیکچرار الہ آباد یونیورسٹی

رام کمار ورما۔ ایم۔ اے۔ الہ آباد یونیورسٹی

میں نے محمد اسحاق فاروقی کے گیت سنے ہیں۔ جن پر ان کا ڈرامہ "گھر بانو" مشتمل ہے ان گیتوں میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ اور یہ احساسات کی نہایت سلیس انداز میں ترجمانی کرتے ہیں۔ اگر مسٹر فاروقی اور بھی گیت ہندوستانی زبان میں پیش کریں۔ تو وہ قابل قبول ہوں گے۔ اور بد مذاق عوامی گیت کی جگہ لینے کے لئے ان کی بہت زیادہ احتیاج ہے۔ ان کے گیت اسٹیج پر عوام الناس کی رغبت کے حامل ہوں گے۔ کیونکہ وہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

آر کے ورما لیکچرار ہندی۔ شعبہ ہندی
۲۷۔ جنوری ۱۹۳۸ء

ابواب و مناظر

باب اوّل

عشق

منظر اوّل :- مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ اور مرزا عثمان بیگ کا مکان
منظر دویم :- مرزا عثمان بیگ کا مکان
منظر سویم :- مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ
منظر چہارم :- کالج کا راستہ اور مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ
منظر پنجم :- کالج کا راستہ
منظر ششم :- کمپنی باغ

باب دویم (ہجر)

منظر اوّل :- مرزا عثمان بیگ کا مکان
منظر دویم :- مرزا عثمان بیگ کا مکان
منظر سویم :- مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ
منظر چہارم :- ساحل دریائے جمنا
منظر پنجم :- کلکتے میں گہر بانو کے ماموں کا بنگلہ
منظر ششم :- کلکتے میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ

باب سویم (موت)

منظر اول :- مرزا عثمان بیگ کا مکان
منظر دویم :- ساحل دریائے جمنا
منظر سویم :- ساحل دریائے جمنا
منظر چہارم :- کلکتے میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ۔

منظر پنجم:۔ کلکتے میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ اور دریائے جمنا۔
منظر ششم:۔ کلکتے میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ۔

اشخاصِ مناظر

مرزا سلیمان بیگ:۔ دہلی کے ایک سربرآوردہ بیرسٹر
مہربانو بیگم:۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کی بیوی
گہربانو:۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کی اکلوتی بیٹی
مرزا قاسم بیگ:۔ کلکتے کے ایک بیرسٹر اور گہربانو کے شوہر
راضیہ بانو:۔ گہربانو کی ماموں زاد بہن
مرزا عثمان بیگ:۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کے بڑے بھائی
مرزا سلطان بیگ:۔ مرزا عثمان بیگ کے اکلوتے بیٹے
نریندر بابو:۔ مرزا سلطان بیگ کے یار غمگسار
حشمت:۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا ملازم
ہیما لی:۔ مہربانو بیگم کی ایک کنیز
کالے خاں:۔ مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا ملازم
نورتن لی:۔ گہربانو کی ایک کنیز
چھوٹے خاں:۔ مرزا عثمان بیگ کا نمک حلال وفادار غلام

مرزا سلطان بیگ کے احباب۔ دو کچھی والے۔ گہربانو کے ڈاکٹر صاحب۔ گہربانو کی نرس۔ سلطان مرزا کے ڈاکٹر صاحب۔ مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کے احباب۔ قلی مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کے دھوبی اور دھوبن۔ ملاح وغیرہ

باب اوّل

(عشق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈرامے کا آغاز

باب اوّل

منظر اوّل

مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلا اور مرزا عثمان بیگ کا مکان۔

(صبح کا سہانا وقت ہے۔ نسیم سحر کے سرد سرد اور ہلکے ہلکے جھونکے پے در پے آ رہے ہیں۔ اور نازنین آفرین گھر بانو اپنے بنگلے کے سامنے والے باغیچہ میں سُرخ و سبز پری بنی چہل قدمی کر رہی ہے۔ دوپٹہ ہر بار سر سے سرک جاتا ہے۔ مگر یہ باحیا نازنین اُسے فی الفور اُٹھا کر سر پر رکھ لینے میں دریغ نہیں کرتی۔ زلفیں شانوں پہ بکھری ہوئی ہیں۔ اور مشاطۂ صبا جو مشاطگی پر مامور ہوتی ہے۔ لگتا ہے گا ہے چھیڑ کر اُن کا مزاج برہم کر رہی ہے یہ حسینہ سُرخ و سفید پھولوں سے کھیل رہی ہے۔ کبھی تو آپ ہی آپ ہنسنے لگتی ہے۔ اور ہنستے ہنستے لوٹ جاتی ہے۔ اور کبھی یکایک چہر طیب ہو جاتی ہے۔ آخر چہکتی ہے۔ اور بلبل ہزار داستاں بن کر نغمہ پیرا ہو جاتی ہے۔)

گانا

کھوئے پپیہا پیا پیا ہیں　　کوکے کوئل گھنگھور گھٹا ہیں
باجے مرلی مست ہوا ہیں
ناچے بھنورا پھول سبھا ہیں
چھائے بدریا کالی کالی　　چھلکے رس کی پیالی پیالی
جھولے جھولا ڈالی ڈالی
ناچے بھنورا پھول سبھا ہیں
رین نہ بیتے برہا سوہن کی　　آس ستائے پیا ملن کی
ڈولے ڈگمگ دنیا من کی
ناچے بھنورا پھول سبھا ہیں

(اِدھر تو رنگین جمال سرخ سرخ گال اور رسیلی آنکھوں والی نازنین ہیئے گلرنگ شباب کے نشہ سے چور ہو کر اپنی بہار حسن دادا دکھا رہی ہے اُدھر سلطان مرزا باپ کے پاس سے چند ضروری کاغذات لے کر چچا جان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اتفاقاً اور چونکہ بہت عجلت ہے۔ اس لئے آتے وقت اس کی نظر گھبرا نو پر نہیں پڑتی حشمت نامی غلام سامنے آتا ہے۔ اور ہاتھ کی حرکت سے آداب بجالاتا ہے سلطانِ مرزا سر کی حرکت سے سلام کا جواب دیتا ہوا چچا جاں کی نشست گاہِ خاص میں داخل ہوتا ہے)

مرزا سلیمان بیگ:۔ (سلطان مرزا کے پاؤں کی چاپ سے چونک کر) کون؟۔ سلطان؟!

سلطان مرزا:- (ادب کے لہجہ میں) جی چچا جان (قدرے توقف کے بعد) آداب عرض

مرزا سلیمان بیگ:- جیتے رہو (ایک کوچ کی طرف دیکھتے ہوئے) بیٹھو۔

سلطان مرزا:- مزاج مبارک (کوچ پہ بیٹھ جاتا ہے)

مرزا سلیمان بیگ:- الحمدللہ (قدرے توقف کے بعد) بھائی جان کا مزاج کیسا ہے۔ تم اچھے ہو؟

سلطان مرزا:- عنایت ہے (قدرے توقف کے بعد) ابا جان اچھے ہیں۔ دعا کہی ہے آپ کو۔

مرزا سلیمان بیگ:- ہاں بیٹا تو بتاؤ کیسے ہوا آنا؟

سلطان مرزا:- ایک بہت ضروری کام ہے (رک کر) آپ سے

مرزا سلیمان بیگ:- (حیرت سے) مجھ سے؟ (قدرے توقف کے بعد) خیریت تو؟

سلطان مرزا:- کچھ کاغذات دے کر ابا جان نے بھیجا ہے۔

مرزا سلیمان بیگ:- اُہ (قدرے توقف کے بعد) اچھا۔ اچھا لاؤ۔ کہاں ہیں؟

(سلطان مرزا کاغذات پیش کرتا ہے۔ مرزا سلیمان بیگ کاغذات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر واپس کر دیتے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ:- بھائی جان سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں نے کاغذات اچھی طرح دیکھ بھال لیے ہیں۔ لیکن تاریخ سے ایک روز قبل پھر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

سلطان مرزا: بہتر ہے (قدرے توقف کے بعد) اب اجازت ہو چچا جان۔

مرزا سلیمان بیگ: جاؤ گے؟ (قدرے توقف کے بعد) اچھا، خدا حافظ۔

سلطان مرزا۔ (جاتے ہوئے) آداب عرض

مرزا سلیمان بیگ۔ جیتے رہو۔

(سلطان مرزا گھر کا رُخ کرتا ہے۔ جیسے ہی کہ سیڑھیوں سے اُترتا ہے اُس کی نظر گھر بانو پر جا پڑتی ہے۔ اُٹھے ہوئے قدم رُک جاتے ہیں۔ اور حیرت و استعجاب کے عالم میں اُس مجسمۂ حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگتا ہے۔ چونکہ جلد واپس جاتا ہے۔ اس لئے آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ لیکن قدم قدم پر رک جاتا ہے۔ شوق کی نگاہیں اُس ماہوش گل اندام پر گڑ جاتی ہیں۔ آخر وہ مسحور حُسن پھاٹک تک پہنچتا ہے۔ اور پھاٹک کے ایک کھمبے سے لگ کر گم سُم کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہیں سے کھڑے کھڑے اُس سراپا ناز و ادا کے کرشمے دیکھنے لگتا ہے۔ اتنے میں "فہیماً بوا" باہر آتی ہے)

فہیماً بوا۔ (دور ہی سے) گھر بیٹا۔ (جواب نہ پا کر اور قریب تر جا کر) گھر بیٹا۔

گھر بانو! (ادا سے سر گھما کر) ہیں۔ کون؟ فہیماً بوا؟

فہیماً بوا۔ ہاں بیٹی

گھر بانو:۔ (زور سے) کیا ہے (قدرے توقف کے بعد) کچھ کہو گی بھی منہ سے؟

فہیما بوا۔ ہاں بیٹی۔ یہی کہ امّی جان یاد کر رہی ہیں آپ کی۔
گھربانو۔ (جوانی کی ادا کے ساتھ) آتی ہوں ابھی۔
(دو منٹ بھی نہیں گزرتے کہ خورشید طلعت ماہ سیما نازنین دوپٹے میں کچھ پھول لئے جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہوا دفعتہً شوخی کرتی ہے اور سر کھل جاتا ہے۔ جب سر گھما کر دوپٹہ اٹھاتی ہے۔ تو پر کیف نگاہیں کسی نظارہ باز حسن پر جا پڑتی ہیں۔ جو پھاٹک کے کھمبے سے لگا کھڑا ہے لیکن یہ تغافل کیش حسینہ کچھ خیال نہیں کرتی اور اُسی طرح بیگانہ دار خراماں خراماں چلی جاتی ہے۔ سلطان مرزا کو کاغذات کا ہوش آتا ہے۔ اور وہ اُن کو سنبھالتا ہوا حُسن کی حریم ناز سے نکل کر بادلِ ناخواستہ گھر کی راہ لیتا ہے۔ مگر قدم ہیں کہ اُٹھائے نہیں اُٹھتے۔ راہ کہیں ہے پاؤں کہیں پڑتے ہیں۔ راہ طے کرتا ہے۔ اور وہ حسن کا دلفریب منظر آئینۂ نگاہ میں عکس فگن ہے۔ گھبرا گھبرا کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ آخر گھر پہنچتا ہے۔ مرزا عثمان بیگ سامنے والے برآمدے میں ایک کرسی پہ بیٹھے ہیں)

مرزا عثمان بیگ۔ کیا ہوا ملاقات ہوئی چچا جان سے۔؟

سلطان مرزا:۔ جی ابا جان (قدرے توقف کے بعد) چچا جان نے سلام عرض کیا ہے آپ کو اور۔

مرزا عثمان بیگ:۔ (سلطان مرزا کی بات کاٹتے ہوئے) علیکم السلام

سلطان مرزا:۔ (کاغذات کو سنبھال کر دیتے ہوئے) فرمایا ہے۔ کہ میں نے اِنہیں اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے۔ احتیاطاً تاریخ سے ایک روز قبل پھر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

مرزا عثمان بیگ:۔ (کاغذات کو لیتے ہوئے) پھر تم ہی لے جانا

(قدرے توقف کے بعد) یا چلا جاؤں گا میں خود ہی۔ آخر دوسرے روز تو پڑے ہی گا جانا۔

سلطان مرزا:۔ نہیں ابا جان میرے ہوتے ہوئے آپ کیوں تکلیف کریں گے۔

مرزا عثمان بیگ:۔ خیر دیکھا جائے گا۔

(مرزا عثمان بیگ کا غذات کو لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ سلطان مرزا بھی اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے۔ پڑھنے لکھنے پر خاک ڈالتا ہے۔ اور چارپائی پہ ایک قالب بے جان کی طرح دراز ہو جاتا ہے۔ گھر بانو کے خیال میں برابر مستغرق رہتا ہے۔ چارپائی پر لیٹے ہوئے دو ہی منٹ گزرتے ہیں۔ کہ باہر سے چند بذلہ سنج اور شوخ طبع احباب کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کرتے ہیں۔

سب دوست۔ کھولو۔ کھولو۔ جلد کھولو دروازہ

پہلا دوست:۔ (دروازے سے جھانک کر) ہوں۔ کیوں سلطان یہ رنگ رلیاں یہ جوانی کی مستی۔ روانہ کر دو ہاں روانہ کر دو۔ وہ گئی نازنین وہ نکل گئی دوسرے دروازے سے

دوسرا دوست:۔ (اسی طرح جھانک کر) ہاں ہاں سرخ و سبز پوش تھی۔ سر کھلا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔

تیسرا دوست:۔ جی ہاں۔ جب ہی تو بند کر رکھا ہے۔ دروازہ بھی۔

چوتھا دوست:۔ کیوں سلطان اکیلے ہی اکیلے یہ مزے۔ اسی کا نام دوستی ہے۔

پانچواں دوست :- بھئی مجھ سے تو نہیں رہا جاتا۔ میں تو جاتا ہوں
مرزا صاحب سے کہنے۔ کہ اب کیا ہے۔ اب تو آپ کے فرزند جگر بند
نے اور ہی گل کھلا رکھا ہے۔ عیاشی پہ کمر باندھی ہے۔ عیاشی پر۔
(اس جملے پر سب دوست مل کر قہقہہ لگاتے ہیں)
چھٹا دوست :- کھولو۔ کھولو۔ جلد کھولو۔
سب دوست۔ ہم کہے دیتے ہیں۔ سلطان دروازہ فوراً کھول
دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ بلا کے پرکالے ہیں ہم۔ دروازہ ہی نہ توڑ ڈالیں
تو سہی (دروازہ کے پلے بڑی زور زور سے بھڑ بھڑانے لگتے ہیں۔)
(سلطان مرزا جو اس وقت تک مطلقاً خاموش تھا۔ چار ناچار اٹھ
کر دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور سب کے سب ایک طوفانی ہوا کے
جھونکے کی طرح عجیب عجیب مضحکہ خیز و قہقہہ انگیز لباس میں پہنے شور
مچاتے اندر کی جانب پل پڑتے ہیں۔ کوئی اچھل کر میز پر بیٹھ جاتا ہے۔
کوئی جست کر کے کرسی پر اپنا سکہ جماتا ہے۔ کوئی میز پر سے ناول اٹھا کر
کھڑے ہی کھڑے پڑھنے لگتا ہے۔ کوئی سلطان مرزا کے گلے میں ہاتھ
ڈال کر بیٹھ جاتا ہے)
سلطان مرزا :- (اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے جو مرزا
عثمان بیگ کے کمرے میں کھلتا ہے) کتنا شور مچاتے ہو تم لوگ۔ ابا جان
سنیں گے تو خفا ہوں گے۔
پہلا دوست :- کیا کہا۔ ہمارے شور سے مرزا صاحب ناراض ہوں گے
ناراض۔ سمجھے۔ اور اپنے برخوردار کی کرامات پر خوشی سے پھولے نہ
سمائیں گے پھولے۔

(سب کے سب بڑی زور زور سے قہقہہ لگاتے ہیں۔ احباب کے اس قسم کے جملے سلطان مرزا کے حسرت بھرے دل پر تیر ہو کر بیٹھتے ہیں۔ مگر وہ مصلحت سمجھ کر اور رگ رگ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ اور محض ٹالنے کی کوشش کرتا ہے)

دوسرا دوست:- دوست سلطان۔ یہاں تک تو تھا مذاق۔ بولو میلے چلتے ہو؟

سلطان مرزا:- یار چلتا تو۔ تیار ہی تھا۔ لیکن

تیسرا دوست:- (بات کاٹتے ہوئے) لیکن کیا؟

سلطان مرزا:- طبیعت کچھ خراب سی ہے۔

چوتھا دوست:- (ہاتھ مٹکا مٹکا کر) وہی پرانا جواب (قدرے توقف کے بعد) یا اللہ ہنسنے کتے بھی ہیں۔ پھر بھی کیسے جاتے ہیں۔ کہ بیمار ہیں۔ ارے بابا ہمیں بھی تو کیا روگ لگ گیا ہے۔

سلطان مرزا:- کچھ ایسا ہی دل بے چین سا ہے۔

پانچواں دوست:- او۔ تو یہی کہو نہ کی دل کی بیماری ہے۔ آنکھ لڑ گئی ہو گی۔ کسی گلبدن سے۔ دل آگیا ہو گا کسی سیمتن پر۔

(اس پر سب دوست مل کر قہقہہ لگاتے ہیں)

سلطان مرزا:- (مضطرب ہو کر) تم لوگوں کو تو دل لگی ہی سوجھتی ہے۔

چھٹا دوست:- کچھ خبر بھی ہے۔ آج وہاں وہ حور وش نازنیں اکٹھا ہوں گی۔ کہ جنت نظر آئے گی زمین پر۔

سلطان مرزا:- وہ سب کچھ سہی۔ پر کروں کیا؟

پہلا دوست :۔ (باقی دوستوں کی طرف دیکھ کر) چلو چلیں بھی۔ بھلا یہ کیا بیٹھ کے اُلّو کیا جائیں گے۔ ان کی قسمت میں ایسا دل لبھانے والا منظر جب ہو نا۔

(سب کے سب باہر کا رُخ کرتے ہیں)

سلطان مرزا :۔ (دوستوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر) تو کیا اسی حالت سے جاؤ گے۔؟

ایک دوست۔ جی ہاں ۔ اسی حالت سے ۔ یہی تو وہ جادو ہے ۔ جو ہم اُن پر پھینکیں گے۔ وہ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہنسیں گی۔ اور ہنستے ہنستے اُن کے پیٹوں میں بل پڑ جائیں گے ۔ ہم کو مزہ آئے گا (سب دوست کمرے سے چلے جاتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور چھوٹے خاں کھانے کی میز پر کھانا لگاتا ہے۔)

چھوٹے خاں :۔ (سلطان مرزا کے پاس آکر) کھانا لگ گیا حضور۔

سلطان مرزا :۔ (کھانے کی میز کی طرف جاتے ہوئے) چھوٹے خاں ! کہاں ہیں ابّا جان ؟

چھوٹے خاں :۔ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔

سلطان مرزا :۔ اور آئیں گے کب ؟

چھوٹے خاں :۔ شام کے لئے کہہ گئے ہیں۔

سلطان مرزا :۔ (حیرت سے) شام کے لئے۔

چھوٹے خاں :۔ حضور

(سلطان مرزا دو چار لقمے زہر مار کرنے کے بعد کمرہ بند کرکے کہیں چل دیتا ہے ۔ اور شام تک واپس نہیں آتا)

باب اوّل

منظر دوئم

مرزا عثمان بیگ کا مکان

(رات کا وقت ہے۔ رات زیادہ جا چکی ہے۔ ہر طرف خاموشی مزار چھائی ہوئی ہے۔ دنیا سائیں سائیں کر رہی ہے۔ زمین آسمان کے بیچ بلا کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ پانی جھم جھم برس رہا ہے۔ مرزا عثمان بیگ اپنی خواب گاہ میں محو خواب ہیں۔ ملازم بھی جو دن بھر کے کام کاج میں تھک کر چور ہو گیا ہے۔ اپنی جگہ پڑا ہے۔ اور بد نصیب دل گرفتہ عاشق سلطان مرزا عالم تنہائی میں فراق کی سختیوں سے دو چار ہے یہ تیر حسن وادا کا نیا شکار طائر بسمل کی طرح بستر اندوہ پر لوٹتا ہے۔ کروٹ پر کروٹ بدلتا ہے۔ آہ پر آہ بھرتا ہے۔ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کبھی پھر لیٹ جاتا ہے۔ اور کبھی مجنوں صفت عالم خیال میں محبوبہ سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور پرنم آنکھوں سے اشک حسرت گراتا جاتا ہے۔)

سلطان مرزا:- گھر۔ پیارے گھر۔ میرے گھر۔ میرے اپنے گھر۔ سلطان کی روح۔ سلطان کی جان۔ تو شمع ہے سلطان پروانہ۔ تو

گئی ہے سلطان بکیلی (قدرے توقف کے بعد) تجھے بھول جاؤں - (قدرے توقف کے بعد) نہیں - نہیں - یہ کبھی نہیں ہو سکتا - یہ کبھی نہیں ہو سکتا - میری لیلیٰ میں تیرے لئے وحشت و بیابان کی خاک اڑاؤں گا - در در کی ٹھوکریں کھاؤں گا - میری شیریں میں تیرے لئے ایک جوئے شیر کی جگہ خونِ دل کی بے شمار ندیاں بہاؤں گا -

(قدرے توقف کے بعد) آہ اے قاتلِ محبت کیا تو ہی میری دشمنِ دل و جان ہو گئی؟ کیا تیرے ہی خون بھرے ہاتھوں سے میری راحت و آرام کی دنیا لہولہان ہو گئی؟ ظالم تو ہی وہ شعلہ ہے جو میری رگ رگ کو پھونکے ڈال رہا ہے - تو ہی وہ خنجر ہے - جو میرے دل و جگر کے ٹکڑے کئے ڈال رہا ہے - (قدرے توقف کے بعد) مگر - میری گہر - مجھے کیا معلوم تھا - کہ تیرے حسن و ادا کے پردے میں میری موت چھپی ہے - میں وہ خوش نصیب نہیں جسے تو مل سکتی ہے - تجھ سے ملنے کی امید ایک امیدِ موہوم اور تیرے وصل کا خیال اک خیالِ خام ہے - یہ محبت محبت نہیں موت کا پیغام ہے -

(کچھ دیر خاموش رہتا ہے - پھر ایک بارگی چونکتا ہے - اور گانے لگتا ہے)

گانا

وصل کا وصل نظارہ کا نظارہ ہوتا
گیسوئے یار کو ہم نے جو سنوارا ہوتا

مرغ جاں مرغ دل اک ساتھ پھڑکتے ہوتے
اے مرے تیر فگن تیر وہ مارا ہوتا

اپنی تصویر مسیحا نے جو بھیجی ہوتی
دلِ بیمار کے جینے کا سہارا ہوتا

لب نہ کھلتے تو نہ کھلتے سرِ محفل لیکن
شرم آلود نگاہوں سے اشارہ ہوتا

(گانا ختم ہوتے ہی کوئی دروازے پر دستک دیتا ہے۔ سلطان مرزا لپک کر دروازہ کھولتا ہے۔ دروازہ پر اُس کو اُس کے یار غار نریندر بابو کھڑے نظر آتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (حیرت سے) ہلو۔ نریندر بابو! (قدرے توقف کے بعد) آدھی رات گئے (بڑھ کر مصافحہ کرتا ہے) آیئے آیئے (قدرے توقف کے بعد) بھئی خوب آئے۔ ابھی ابھی خیال آیا تھا آپ ہی کا۔

(ہاتھ میں ہاتھ دیئے دونوں اندر جاتے ہیں۔ اور آمنے سامنے ایک ایک کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (سگرٹ پیش کرتے ہوئے) سگرٹ نوش فرمایئے (قدرے توقف کے بعد) مزاج تو اچھا ہے۔ نریندر بابو؟

نریندر بابو:۔ (سگرٹ لیتے ہوئے) شکریہ (جلا کر پیتے ہوئے) یار مزاج وزاج تو پوچھا کیجے۔ پہلے پوچھو کہ نریندر بابو آدھی رات گئے کیا کرنے آئے ہیں۔ یہاں (قدرے توقف کے بعد) شامت نے جو گھیرا جی میں آئی کہ سینما دیکھنے جاؤں،

سلطان مرزا:۔ (بات کاٹتے ہوئے) خوب

نریندر بابو:۔ (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) آخر دل میں لوٹنے کی ٹھانی۔ کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ لیکن خیال تھا۔ کہ پانی گھر پہنچنے سے پہلے نہ گرے گا۔ بس چل پڑے اِس جانب۔ دو ہی قدم گئے ہوں گے۔ کہ پھواریں پڑنے لگیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ پانی تیز ہو گیا۔

سلطان مرزا:۔ مگر آپ کے اس وقت آنے سے مجھے تو بہت خوشی ہوئی (قدرے توقف کے بعد) کیا واٹر پروف لینا بھول گئے تھے؟

نریندر بابو:۔ بھولے دوے نہیں یار۔ وقت تھوڑا اور شوق بیحد جلدی میں مل کہاں سکتا تھا۔ (تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو جاتے ہیں)

نریندر بابو:۔ (سلطان مرزا کو اداس دیکھ کر اور خاموشی کو توڑ کر) تم اُداس ہو سلطان؟

سلطان مرزا:۔ (مصنوعی مسکراہٹ سے) نہیں تو نریندر بابو۔ میں اُداس تو نہیں ہوں۔ خیال ہے آپ کا۔

نریندر بابو۔ خیال ہے میرا؟ جیسے اور کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ میں نے نہیں۔

(سلطان مرزا کی آنکھوں میں اشک امنڈ آتے ہیں)

نریندر بابو:۔ (حیرت سے) آنسو! آنسو! سلطان! آنسو۔

سلطان مرزا:۔ (رومال سے آنسو پونچھ کر) کچھ نہیں نریندر بابو

نریندر بابو:۔ نہیں سلطان کچھ تو۔ تمہیں اس کا سبب بتانا ہی ہو گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ بتاؤ۔ بولو۔

سلطان مرزا:۔ بات یہ ہے نریندر بابو۔ آج صبح سے ماں یاد آ رہی ہیں۔ اس لئے بار بار رو پڑتا ہوں۔

نریندر بابو:۔ جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔

سلطان مرزا:۔ میں سچ کہتا ہوں نریندر بابو۔ یہی بات ہے مانیئے۔

نریندر بابو:۔ (افسردگی کے لہجے میں) ایسا ہی ہے تو صبر کرو۔ یہ مصیبت تو تم جیسے بہتوں پر ہو گی (قدرے توقف کے بعد) صبر کے

اس کا علاج ہی کیا ہے۔

(کچھ دیر تک دونوں خاموش رہتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (خاموشی کو توڑ کر) نریندر بابو۔ اس وقت تو کوئی گانا سنائیے۔ کوئی دل میں چبھنے والا راگ چھیڑیئے۔

نریندر بابو:۔ بھئی گانا دانا میں کیا جانوں۔

سلطان مرزا:۔ خیر یہ تو خاکساری ہے۔ مگر سنائیے۔ میری خاطر سے سنائیے۔

نریندر بابو:۔ اچھا تو تمہاری خاطر سے سناتا ہوں۔ سنو

گانا

آنسو چھلکے نین نہ سوئے ۔۔۔ موتی کالی رین پروئے

چاند بدریں میں ڈگمگ ہوئے ۔۔۔ ہنسے نراشا آشا روئے

جیل میں محل میں گھور اندھیرا ۔۔۔ نا کوئی پنگھٹ نا کوئی ڈیرا

یا وَڈ گر میں ڈگمگ ہوئے ۔۔۔ ہنسے نراشا آشا روئے

پریم کا ساگر من کی نیّا ۔۔۔ نربل دھارا کھیوے کھویّا

لہر جھنور میں ڈگمگ ہوئے ۔۔۔ ہنسے نراشا آشا روئے

(گانا سن کر سلطان مرزا کے دل و جگر پاش پاش ہونے لگتے ہیں۔ اشک آنکھوں میں بھر بھر آتے ہیں۔ اور وہ افشائے راز کے ڈر سے انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں پی پی جاتا ہے۔ نریندر بابو گانے میں مست ہیں۔ گانا ختم ہوتا ہے)

نریندر بابو:۔ (تھوڑی دیر کی خاموشی کو توڑ کر) اب اجازت

دو سلطان (باہر کی طرف دیکھ کر) پانی بھی تھما سا معلوم ہوتا ہے۔
سلطان مرزا :۔ جائیے گا؟ (قدرے توقف کے بعد) میرا واٹر پروف لے لیجئے نہ (واٹر پروف دیتا ہے)
نریندر بابو :۔ (واٹر پروف پہنتے ہوئے) شکریہ (مصافحہ کرکے جاتے ہوئے) آداب عرض۔
سلطان مرزا :۔ آداب عرض۔
(اب رات زیادہ گذر چکی ہے۔ سلطان مرزا اپنے بستر اندوہ پر لیٹ جاتا ہے۔ لیکن نیند کہاں کروٹیں بدلتا رہ جاتا ہے)

پردہ

باب اوّل
منظر سوئم

مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ

(رات کا وقت ہے۔ رات زیادہ گئی ہے۔ ہُو کا عالم ہے دنیا سائیں سائیں کر رہی ہے۔ گُھپ گُھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ پانی جھم جھم برس رہا ہے۔ حور تمثال پری چہرہ نازنیں گھر بانو کے کمرے میں بجلی کی روشنی ہے۔ کمرے کی سحر خیز ادر گویا گوں آرائش گلشن فردوس کی آرائش کو بھی مات کر رہی ہے۔ نیما بوا جب سے گھر بانو کو بُلا کر اندر لے گئی ہے۔ وہ معصوم نازوں کی پالی کچے دل والی نازنیں بھی رہ رہ کر ایک پُراسرار بے چینی سی محسوس

کر رہی ہے۔ جس کا سبب نہ خود سمجھ سکتی ہے۔ نہ دوسروں کو سمجھا سکتی ہے
بات یہ ہے۔ کہ ابھی دل نعلم کھلا درد محبت سے آشنا اور اسیر ہوس نہیں ہوئی
خوابی لباس میں بستر پر پڑی ہے۔ مگر نیند کہاں کھلی آنکھیں لئے پڑی ہے
سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس کے دل کو کیا ہو گیا
ہے۔ سلطان مرزا کا پھاٹک کے کھمبے سے لگ کر کھڑا ہونا آئینہ نگاہ میں
عکس فگن ہے۔ گھبرا گھبرا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ مگر یہ حیرت انگیز منظر کسی
طرح دامان نظر کو نہیں چھوڑتا مجبور ہو کر کتاب کا مطالعہ شروع کر دیتی ہے۔ کہ
شائد اسی صورت سے نیند آجائے۔ مگر نیند بھی آنے کی قسم کھا چکی ہے۔ صفحے
کے صفحے الٹ جاتی ہے۔ مگر پھر کوری کی کوری ہے۔ آخر عاجز ہو کر مہر بانو بیگم
کے کمرے میں دوڑی چلی جاتی ہے۔ مہر بانو بیگم معمولاً دس بجے سے بستر خواب
پر مصابہ گستر ہو جاتی ہیں)

گوہر بانو:۔ (آہستہ سے مہر بانو بیگم کے جسم کو ہلا کر) امّی امّی سو گئیں ؟

مہر بانو بیگم۔ (آنکھیں کھول کر اور حیرت سے گوہر بانو کی طرف دیکھ کر) کون؟
گوہر۔ ابھی تک تم نہیں سوئیں بیٹی ؟

گوہر بانو:۔ (معصومیت کی ادا سے) مجھے نیند نہیں آتی امّی۔ جی گھبراتا ہے
آپ ہی آپ۔

مہر بانو بیگم:۔ (گھبرا کر) جی گھبراتا ہے ؟ (نبض دیکھنے کے لئے ہاتھ بڑھا کر)
دیکھوں تو۔ نصیب دشمناں جی تو نہیں ہے بُرا (نبض دیکھ کر) دشمن پامال
اچھی خاصی تو ہو بیٹی۔

گوہر بانو:۔ ہاں۔ ہاں۔ اچھی خاصی تو ہوں ۔۔ لیکن نیند کیوں نہیں آتی
امّی ؟ دل کیوں گھبراتا ہے آپ ہی آپ۔ کلیجہ کیوں اچھلتا ہے بانسوں ؟

مہر بانو بیگم :- بیٹی تم روز کی ٹھہریں وہمی۔ جا کے لیٹ جاؤ بستر پہ۔ ہاتھ میں لے لو کتاب۔ شروع کر دو پڑھنا۔ جب پڑھنے میں ہو جاؤ گی محو تو بے چینی بھی ہو جائے گی کم اور نیند بھی آ جائے گی آناً فاناً۔

گوہر بانو۔ یہ تو سب کر چکی ہوں امّی۔

مہر بانو بیگم :- سمجھی۔ تم بیٹی میں کہتی ہوں پھر ایسا ہی کرو۔ رات زیادہ گئی ہے۔ نیند اب ضرور آ جائے گی۔

(گوہر بانو چار و ناچار اپنے کمرے میں واپس آتی ہے۔ اور مہر بانو بیگم سو جانے کے لئے آنکھیں موندھ لیتی ہیں۔ گوہر بانو اپنے بستر پر لیٹ جاتی ہے اور کتاب اُٹھا کر پڑھنے لگتی ہے۔ مگر نہ پڑھنے میں جی لگتا ہے۔ نہ چین آتا ہے۔ نہ نیند آتی ہے۔ وہی اضطراب وہی الجھن ہے۔ اور اُسی طرح سلطان مرزا کے کھمبے سے لگ کر کھڑے ہونے کا حیران کن منظر نگارہ معصوم کا دشمن ہے۔ گھبرائی ہوئی پھر مہر بانو بیگم کے کمرے میں جاتی ہے)

گوہر بانو۔ امّی۔ میری امّی۔ سو گئیں

مہر بانو بیگم (آنکھیں کھول کر) نہیں بیٹی

گوہر بانو :- مجھے کیا ہو گیا ہے امّی۔ نیند کم بخت کیوں نہیں آتی ؟

مہر بانو بیگم۔ (ایک دروازہ کی طرف دیکھ کر جو ایک دوسرے کمرے میں کھلتا ہے) راضیہ۔ راضیہ۔ سو گئیں۔

راضیہ بانو :- (اسی کمرے سے) جی پھوپھی جان۔ جاگ رہی ہوں

مہر بانو بیگم :- ذرا یہاں آنا بیٹی

راضیہ بانو۔ حاضر ہوئی (پاس آ کر) فرمائیے پھوپھی جان

مہر بانو بیگم (گوہر بانو کی طرف اشارہ کر کے) بیٹی کچھ دیر کے لئے اِسی کے کمرے

میں لیٹ رہو۔ باتیں واتیں کر کے اس کا دل بہلانا۔ اسے نیند نہیں آتی۔ ویسی تو یہ ہمیشہ کی ہے ہی۔ مگر شاید تمہاری باتوں میں کچھ دل بہل جائے۔ اُلجھن دور ہو جائے اور نیند آ جائے۔

راضیہ بانو، بہت اچھا پھوپھی جان (گوہر بانو کی طرف دیکھ کر) چلو بہن

گوہر بانو:۔ (آزردگی کے لہجہ میں دھیمی آواز سے) چلو

(راضیہ بانو گوہر بانو کے ساتھ اس کے کمرے میں جاتی ہے۔ اور دونوں گوہر بانو کی مسہری پر بیٹھ جاتی ہیں)

راضیہ بانو:۔ جی گھبراتا ہے تمہارا بہن

گوہر بانو:۔ ہاں بہن نہ جانے کیوں؟

راضیہ بانو:۔ بہن گانے میں خوب بہلتا ہے جی۔

گوہر بانو۔ پھر گاؤ نا۔

راضیہ بانو:۔ جب گانا آتا ہو نہ

گوہر بانو۔ اتنا بنتی کیوں ہو بہن (قدرے توقف کے بعد) کون گا رہا تھا۔ رات کو اُس روز؟

راضیہ بانو:۔ ہٹو بھی یہ بھی کوئی گانے میں گانا ہے۔

گوہر بانو۔ واہ اتنا اچھا تو گاتی ہو اور کہتی ہو یہ بھی کوئی گانے میں گانا ہے (قدرے توقف کے بعد) مجھے تو تمہاری آواز بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

راضیہ بانو:۔ وہ سب کچھ سہی مگر تمہارا ایسا تو نہیں گا سکتی سنتر جنم۔

گوہر بانو۔ (مسکرا کر) ہاں ہاں میں ہی تو تان سین کی بھتیجی ہوں نہ۔

راضیہ بانو (مسکرا کر) چاہے جو ہو تمہیں تو گانا ہی ہوگا۔ (قدرے توقف کے بعد) گاؤ۔

گھر بانو :- نہیں بہن تم گاؤ۔
راضیہ بانو :- نہیں بہن تم گاؤ
گھر بانو :- نہیں تم گاؤ۔
راضیہ بانو :- نہیں تم گاؤ۔
(دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہیں)
راضیہ بانو۔ اچھا بہن تم بھی گاؤ۔ میں بھی گاؤں۔ ہے نہ۔
گھر بانو :- ہاں
راضیہ بانو :- کون گائے گا پہلے
گھر بانو :- تم
راضیہ بانو - اور تم نہیں
گھر بانو :- میں تو نہ گاؤں گی پہلے
راضیہ بانو۔ تو میں کبھی نہ گاؤں گی پہلے
(دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہیں)
راضیہ بانو - اچھا بہن میں ہی گاتی ہوں پہلے - پھر تم بھی گاؤ گی نہ ؟
گھر بانو - سچ مچ بہن گاؤں گی۔
(راضیہ بانو ہارمونیم اٹھا کر میز پر رکھتی ہے۔ سامنے ایک کوچ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور بجا بجا کر گانے لگتی ہے)

گانا

موت کا پیغام ان کی یاد ہے — دل کے ہاتھوں زندگی برباد ہے
درد بن کر رہ گیا ہوں عشق میں — ہر نوا میری - مری فریاد ہے

شاخ سے لٹکا دیا میرا قفس،　　　مجھ پہ میرا مہرباں صیّاد ہے
وعدۂ شب کا چمن اجڑا ہوا　　　انتظارِ یار سے آباد ہے

(گانا ختم ہوتا ہے)

راضیہ بانو۔ (کچھ توقف کے بعد) اب تم گاؤ بہن

گھر بانو۔ اچھا بہن (بیٹھ کر ہارمونیم بجانا شروع کرتی ہے) کیا گاؤں؟

راضیہ بانو۔ وہی ہندی کا گیت۔ جو اس روز گایا تھا۔ یاد ہے نہ؟

گھر بانو۔ یاد ہے　　(گانا شروع کرتی ہے)

گانا

چھائے گھٹا گھنگور چھائے　　　بکھری بن میں کوئلیا گائے
ساون سارا بیتا جائے　　　تم نہیں آئے تم نہیں آئے
آندھی آئے بجلی چمکے　　　ڈالی جھولے میگھا برسے
ساون سارا بیتا جائے　　　تم نہیں آئے تم نہیں آئے
نین بہائے آنسوؤں ندیا　　　بولے من کے بول پپیہا
ساون سارا بیتا جائے　　　تم نہیں آئے تم نہیں آئے
رین سوپن سنسار بسائے　　　مُرلی برہا راگ سنائے
ساون سارا بیتا جائے　　　تم نہیں آئے تم نہیں آئے

(گانا ختم ہوتا ہے دونوں کچھ دیر تک خاموش رہتی ہیں)

راضیہ بانو۔ (خاموشی کو توڑ کر) بہن اب تو جی نہیں الجھتا تمہارا۔ میں جاؤں نہ۔؟

گہر بانو۔ ہاں بہن اب جاؤ تم۔

(راضیہ بانو اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ اور گہر بانو بھی جس کی الجھن اب کم ہو گئی ہے۔ اپنے بستر خواب پر محو راز ہو جاتی ہے۔ رات زیادہ گزر جانے کی وجہ سے بات کی بات میں مائل خواب ہو جاتی ہے)

پردہ

باب اوّل

منظر چہارم

کالج کا راستہ اور مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ

(ساڑھے نو بجے ہیں۔ سلطان مرزا یونیورسٹی کی طرف پیدل روانہ ہو چکا ہے۔ پونے دس بجے گہر بانو بھی اپنی صبا رفتار کار پر کالج کی راہ لیتی ہے۔ یونیورسٹی اور گرلس انٹرمیڈیٹ کالج آگے پیچھے واقع ہیں۔ اس لئے دونوں کے راستے ملے جلے ہیں۔ گہر بانو کی کار سلطان مرزا کے پہلو سے گزرتی ہے۔ اور گزرتے ہی مقابل میں آنے والی ایک چھکڑا گاڑی کا راستہ کاٹتے وقت قریب کے ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ جاتی ہے۔ اور وہ نازک اندام نازک خرام لڑکی پل بھر میں فرش زمین پر نظر آتی ہے۔ اپنی پیاری محبوبہ کا یہ حال دیکھتے ہی سلطان مرزا لپک کر پاس آتا ہے۔ اور اس کا سر فرشِ خاک سے اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیتا ہے۔ سرشکِ حسرت و غم سے

اپنی سیلمبر زہرہ اندام محبوبہ کا گرد آلود غیرت۔ حور ویری چہرہ دھویا جاتا ہے اور رومال سے پونچھا جاتا ہے۔ تماشائیوں کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ اسی اثنا میں سامنے سے ایک بگھی نمودار ہوتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ قریب آجاتی ہے)

سلطان مرزا:۔ (بگھی کو دیکھ کر) بگھی والے۔ بگھی والے

(بگھی والا بگھی روک کر سلطان مرزا کی طرف دیکھنے لگتا ہے)

سلطان مرزا:۔ بگھی جلد ادھر لا۔

بگھی والا۔ لایا حضور (چشم زدن میں بگھی لے کر آپہنچتا ہے)

سلطان مرزا:۔ (گہر بانو کی طرف اشارہ کرکے) انہیں مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کے بنگلے پہنچانا ہے۔

بگھی والا۔ مرزا صاحب کے بنگلے؟ بہت اچھا حضور (قدرے توقف کے بعد) حضور جیسے یہ مرزا صاحب کی بیٹی ہوں۔

سلطان مرزا:۔ ہاں ہاں وہی ہیں۔ جلدی کرو۔ دیکھتے نہیں۔ بُری طرح بے ہوش ہیں۔

بگھی والا:۔ تو پھر اٹھائے چلیں نہ حضور

سلطان مرزا:۔ اچھا

(سلطان مرزا اپنی بے ہوش دلستاں کو اسی طرح عالم بے ہوشی میں اٹھا کرلے جاتا ہے۔ اور بگھی پر لٹا کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیتا ہے۔ بگھی آن کی آن میں بنگلے کا رُخ کرتی ہے۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر جو بالعموم ساڑھے دس بجے کچہری جاتے ہیں۔ کار پر بیٹھنے والے ہی ہیں۔ کہ بگھی بنگلے کے احاطہ میں داخل ہوتی ہے۔ تشویش کے عالم میں رُک جاتے ہیں۔ بگھی پاس آکر ٹھہرتی ہے۔ سلطان مرزا بگھی سے اُتر کر سراسیمہ مرزا سلیمان بیگ کے

پاس جاتا ہے۔)
سلطان مرزا:۔ (گھبراہٹ سے) ح ح ..... چچا جان بڑا غضب ہو گیا
مرزا سلیمان بیگ:۔ (تردد اور تحیّر کے ساتھ) کیا ہوا؟
سلطان مرزا:۔ گہر بانو کے سخت چوٹ آئی ہے۔ وہ بے ہوش ہیں۔
مرزا سلیمان بیگ:۔ (بدحواس ہو کر) سخت چوٹ۔ کیسے۔ کہاں ہے؟ میری بیٹی۔ میری بیٹی
سلطان مرزا:۔ بگھی میں
(فہیماً بوا جو کسی کام سے باہر آئی ہے۔ بگھی میں گہر بانو کو زخمی اور بے ہوش دیکھ کر بدحواس ہو جاتی ہے)
فہیماً بوا:۔ (درد بھری آواز میں) گہر بیٹیا۔ گہر بٹیا۔ فہیماً نگوڑی نہ مر گئی۔ صدقہ نہ ہو گئی۔ میرے اللہ۔ میرے اللہ
(روتی بلبلاتی اندر جاتی ہے۔ اور مہر بانو بیگم کو خبر کرتی ہے)
فہیماً بوا:۔ (رو کر) گہر بیٹیا کے سخت چوٹ آئی ہے۔ بے ہوش پڑی ہیں۔ بگھی میں۔
مہر بانو بیگم:۔ (گھبرا کر) چوٹ آئی ہے۔ میری گہر کے
(مہر بانو بیگم بھی روتی پیٹتی باہر آتی ہیں۔ مرزا سلیمان بیگ بگھی کے پاس دوڑے چلے جاتے ہیں۔ فوراً اپنی جان سے زیادہ عزیز خورشید سیما اکلوتی کو اُٹھا کر ایک مسہری پر لٹا دیتے ہیں۔ اور ڈاکٹر کو فون کرتے ہیں۔
ڈاکٹر صاحب:۔ (فون پر) ہلو۔ کون صاحب؟
مرزا سلیمان بیگ:۔ میں سلیمان بیرسٹر لڑکی بری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ فوراً تشریف لائیں۔

ڈاکٹر صاحب: - بندہ ابھی حاضر ہوا۔

مرزا سلیمان بیگ - آداب عرض (فون رکھ کر پھر مریضہ کے پاس چلے جاتے ہیں۔

مہر بانو بیگم: - میری بیٹی - میری بیٹی - میں صدقے میں قربان - میری گہر - میرا ہیرا - میرا موتی - ہائے یہ کیا ہوا - میں نہ مرگئی صدقے ہوگئی میرے اللہ میرے اللہ - ہائے میں کیا کروں - کہاں سر پھوڑوں (دیوانہ وار بیٹی سے جا کر لپٹ جاتی ہیں)

مرزا سلیمان بیگ: - (آنکھوں میں آنسو بھر کر) بیوی صبر کرو - دل کو سنبھالو رونے سے کیا حاصل؟ (گہر بانو سے الگ کرتے ہوئے) ہوش کرو - زیادہ شور و غل سے دماغ کو صدمہ پہنچے گا - خدانخواستہ کچھ سے کچھ ہو جائے گا - دعا مانگو۔ دعا -

مہر بانو بیگم: - (گہر بانو سے الگ ہو کر اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر آہستہ آہستہ) میرے اللہ تجھ پر رحم کر - میری بچی کو دے ڈال - میرے گھر کا اجالا رکھ - میرا چراغ نہ گل کر - میں تجھ سے بھیک مانگتی ہوں - گہر بانو کی بھیک مانگتی ہوں - رحم کا صدقہ - کرم کا واسطہ - اچھا کر دے تو اچھا کر دے۔

(راضیہ بانو جو کسی الگ کمرے میں کسی وجہ سے تا وقت غافل سو رہی ہے شور و غل سے جاگ اٹھتی ہے - اور دوڑی ہوئی اس کمرے میں آتی ہے جہاں مہر بانو بیگم زار زار اور بے قرار دعا مانگ رہی ہیں۔)

راضیہ بانو (گھبرا کر نیماں بی سے) کیا ہوا نیماں بوا؟

نیماں بوا - (رو کر) ہوا کیا بیٹی - گہر بٹیا کی کار الٹ گئی - بہت چوٹ آئی ہے بہت (اشارہ کرتے ہوئے) وہ کیا پڑی ہوئی ہیں بے ہوش - دیکھتی نہیں -؟

راضیہ بانو:۔ (قریب جاکر) میری بہن۔ میری ننھّی بہن۔ میری گہر بہن ہائے یہ کیا ہوا۔ یہ کیسی آفت آئی سر پر۔ میری بہن۔ میری سہیلی۔ میرے اللہ۔ میرے مولا!۔

مرزا سلیمان بیگ:۔ دعا مانگو بیٹی۔ رونے سے کیا ہوگا

راضیہ بانو:۔ (اوپر دیکھ کر) اللہ میری بہن کو اچھا کردے۔ میری گہر کو اچھا کردے۔ اس ننھا کی جوڑی پر رحم کر۔ میری سکھی سہیلی رہے۔ یا کریم سُن لے یا رحیم سُن لے۔

حشمت:۔ (ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر) حضور ڈاکٹر صاحب آگئے۔

ڈاکٹر صاحب:۔ (آتے ہوئے دور ہی سے) آداب عرض۔

مرزا سلیمان بیگ:۔ آداب عرض۔ تشریف لائیے۔

(ڈاکٹر صاحب مریضہ کی مسہری کے پاس جاتے ہیں۔ مریضہ کی نبض دیکھتے ہیں۔ اور اُس کی حالت کا معائنہ کرتے ہیں)

ڈاکٹر صاحب:۔ آخر یہ ہوا کیا ہے سر صاحب۔ چوٹ آئی کیسے؟

مرزا سلیمان بیگ:۔ کچھ نہیں ڈاکٹر صاحب۔ جا رہی تھی کالج۔ کار ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ سخت چوٹ آئی ہے سخت۔ دیکھیے نہ زخم ہی زخم ہیں۔ سارے جسم پر۔

ڈاکٹر صاحب:۔ (زخموں کا معائنہ کرتے ہوئے) جی ہاں دیکھ رہا ہوں۔

مرزا سلیمان بیگ۔ (ملول ہو کر) اب کیا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر صاحب۔ فکر نہ کریں۔ کوئی اندیشہ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

(ڈاکٹر صاحب مرہم پٹی شروع کرتے ہیں۔ مرزا عثمان بیگ بھتیجی کی عیادت کے لئے آتے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ :۔ السلام علیکم۔ بھائی جان

مرزا عثمان بیگ :۔ وعلیکم السلام (قدرے توقف کے بعد) عجب سانحہ ہوا۔ مجھے تو ابھی ابھی سلطان سے معلوم ہوا۔

مرزا سلیمان بیگ :۔ جی ہاں کچھ نہ پوچھیئے۔ (قدرے توقف کے بعد) سلطان نے تو آپ سے سب بتایا ہی ہوگا؟

مرزا عثمان بیگ :۔ (مریضہ کی طرف جاتے ہوئے) لیکن بچی اب ہے کیسی؟ (غور سے مریضہ کو دیکھتے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ :۔ چوٹ بہت آئی ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب ہر طرح اطمینان دلاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب :۔ (بات کاٹ کر) جی ہاں۔ کوئی اندیشہ نہیں

(مرزا عثمان بیگ قریب ہی ایک کوچ پر بیٹھ جاتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ :۔ (کچھ دیر بیٹھنے کے بعد) بھائی سلیمان اب میں جاؤں گا۔

مرزا سلیمان بیگ :۔ جائیے گا۔

(مرزا عثمان بیگ اٹھ کر جانے لگتے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ :۔ السلام علیکم

مرزا عثمان :۔ وعلیکم السلام (چلے جاتے ہیں)

(مرزا عثمان بیگ کے چلے جانے کے کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر صاحب بھی مرہم پٹی سے فارغ ہوتے ہیں)

ڈاکٹر صاحب:۔ اب اجازت ہو بیرسٹر صاحب۔ دو گھنٹے کے بعد پھر حاضر ہوں گا۔

مرزا سلیمان بیگ:۔ بہتر ہے۔

ڈاکٹر صاحب:۔ (جاتے ہوئے) آداب عرض

مرزا سلیمان بیگ:۔ آداب عرض

(ڈاکٹر صاحب۔ چلے جاتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد گھر بانو کو ہوش آتا ہے)

گھر بانو:۔ (راضیہ بانو سے جو سرہانے بیٹھی ہے) راضیہ بہن۔ میری راضیہ بہن۔

راضیہ بانو:۔ بہن گھر۔ کہو کیا کہتی ہو۔؟

گھر بانو:۔ (حیرت سے) راضیہ بہن۔ یہ کیا ہوا ہے۔ میری رگ رگ میں یہ کیسا ہے درد۔ میرے جسم پر جگہ جگہ یہ کیسی ہیں پٹیاں۔ (قدرے توقف کے بعد) میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ خواب نہیں ہے۔ میں جاگ رہی ہوں۔ (ضعف سے آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول دیتی ہے) نہ بتاؤ گی۔ راضیہ بہن نہ بولو گی۔ اب کبھی نہ بولو گی۔؟

نرس۔ کیا کرو گی پوچھ کر؟

گھر بانو:۔ (حیرت سے) کیا کہا؟ کیا کرو گی پوچھ کر؟ (قدرے توقف کے بعد) پوچھوں نہ؟

راضیہ بانو:۔ سن کر نہیں صدمہ ہوگا بہن

گھر بانو:۔ صدمہ ہوگا! ہونے دو۔ بتاؤ راضیہ۔ میری بہن تو۔

راضیہ بانو:۔ تو بہن پھر تمہیں اپنا دل سنبھالنا ہوگا۔

گوہر بانو:۔ سنبھالوں گی خوب سنبھالوں گی۔ بتاؤ نہ

راضیہ بانو:۔ (دبی زبان) تمہارے چوٹ آئی ہے بہن

گوہر بانو:۔ (حیرت سے جسم پر بندھی ہوئی پٹیوں کو دیکھتے ہوئے) چوٹ آئی ہے۔ اسی لئے پٹیاں بندھی ہیں۔ کب آئی ہے۔ کیسے آئی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی راضیہ۔ بتاؤ نہ بہن

راضیہ بانو:۔ کالج کے راستہ میں تمہاری کار ایک درخت سے ٹکرا کر اُلٹ گئی تھی۔ کچھ یاد ہے تمہیں بہن؟

گوہر بانو:۔ درخت کا سامنے آجانا تو یاد ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ میں کچھ نہیں جانتی بہن۔

(قدرے توقف کے بعد) پھر کیا ہوا بہن

راضیہ بانو:۔ تم نیچے گر کر بے ہوش ہوگئیں۔ کار ٹوٹ گئی۔

گوہر بانو:۔ (حیرت کے لہجہ میں) گر گئی تھیں۔ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ پھر کیسے آئی یہاں۔ کون تھا میرا دہاں۔ میں تو تھی اکیلی۔

راضیہ بانو:۔ ہاں بہن . . . لیکن حسنِ اتفاق سے سلطان جو پیدل یونیورسٹی جارہے تھے۔ پاس ہی کہیں تھے۔ انہوں نے دوڑ کر تمہیں اُٹھایا۔ پھر ایک کرایہ کی بگھی میں لٹا کر فوراً تمہیں تمہارے بنگلے پہنچایا۔

گوہر بانو:۔ مجھے دوڑ کر اٹھایا۔ بنگلے پہنچایا! سلطان نے!

راضیہ بانو:۔ تمہیں تعجب ہے؟ کیا بڑی بات کی؟ تم اُن کی بہن نہیں۔ وہ تمہارے بھائی نہیں؟ عزیز عزیز کے کام نہیں آتا۔؟

گوہر بانو:۔ (ندامت کے لہجے میں) بھائی۔ بھائی! کاش پہلے بھی میں

نے انہیں بچائی سمجھا ہوتا۔ تم بڑے اچھے آدمی ہو سلطان۔ بڑے ہمدرد بڑے نیک۔ میں کبھی منہ سے نہ بولی تم سے۔ پھر بھی کام آئے تم میرے۔ جان بچائی میری تم نے۔ نہ ہوتے تم تو خدا ہی جانے زندہ رہتی یا مرجاتی میں۔ میں بڑی احسان مند ہوں تمہاری۔ آفرین ہے تم ایسے بھائی پر۔ بہن کا ہے مجھ ایسی بہن پر۔ (ضعف سے خاموش ہو جاتی ہے۔ اور آنکھیں بند کر لیتی ہے)

(سلطان مرزا کمرے میں داخل ہوتا ہے)

گھر بانو:۔ (آہٹ سے چونک کر) کون؟ آپ (قدرے توقف کے بعد) آئیے۔ میرے پاس آئیے

(سلطان مرزا مسہری کے قریب جاکر چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے)

گھر بانو:۔ (ایک کوچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تشریف رکھیے

(سلطان مرزا کوچ پر بیٹھ جاتا ہے) بڑے اچھے آدمی ہیں آپ۔ میں بڑی احسانمند ہوں آپ کی۔ میری جان بچائی ہے آپ نے۔

سلطان مرزا:۔ احسان مند! کیا کہہ رہی ہو گھر؟ تم بہن نہیں میری۔ تمہیں ہر آفت سے بچانا تقاضا نہیں میرے خون کا۔؟

(دوران گفتگو میں گھر بانو اور سلطان مرزا کی محبت آمیز نگاہیں اپنا اپنا کام کرتی ہیں۔ دونوں جانب سے محبت کے تیر سر ہوتے ہیں۔ اُس حسن کی دیوی کے معصوم دل پر بار اوّلین عشق کا زخم کاری لگتا ہے اور سلطان مرزا کے زخم خوردہ دل پر ایک اور زخم کا اضافہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سلطان مرزا، اچھی جان کے ڈر سے اور افشائے راز کے خیال سے جانے کے لئے اُٹھتا ہے)

گھر بانو:- آپ جا رہے ہیں؟ کوئی ضروری کام ہے؟

سلطان مرزا:- نہیں۔ کام تو کوئی ایسا زیادہ ضروری نہیں۔

گھر بانو:- تو پھر کیوں جلدی ہے اتنی؟ بیٹھئے۔ چلے جائیے گا۔

(سلطان مرزا پھر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن اس کو بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزرتی۔ کہ گھر بانو مائل خواب ہو جاتی ہے۔ محبوبہ کو محوِ خواب پاکر عاشق بھی بادلِ نخواستہ گھر کی راہ لیتا ہے)

پردہ

باب اوّل

منظرِ پنجم

کالج کا راستہ

(دو ہفتے سے زیادہ گزر جاتے ہیں۔ گھر بانو بالکل اچھی ہو جاتی ہے۔ اور مرزا سلیمان بیگ اور گھر بانو بیگم کا وہ ہرا بھرا چمنستانِ آرزو جو کہ اچانک تاراجِ خزاں ہونے والا تھا۔ از سرِ نو سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ سلطان مرزا اور گھر بانو کی پُردرد اور عبرت انگیز داستانِ عشق و محبت کو داستانِ امیر حمزہ کی ہمسری کا موقع ملتا ہے۔ سیمبر نازک اندام گھر بانو حسبِ سابق کالج جانے لگتی ہے۔ لیکن اب اُس کی دنیا پہلی سی دنیا نہیں رہتی۔

اب تک وہ گلشن حیات کی ایک آزاد چڑیا تھی۔ لیکن اب دام محبت میں ایک بلبل بے بال و پر ہو جاتی ہے۔ پہلے خود صیاد تھی۔ اب صیاد کے پالے پڑ گئی ہے۔ اب تک سرمست بادۂ شباب تھی۔ اب مخمور مئے اضطراب ہو جاتی ہے۔ اب تک تغافل پیشہ تھی۔ اب تغافل کی شاکی ہو جاتی ہے سلطان مرزا کی آتشِ عشق بھی اب باغ و بہار ہو جاتی ہے۔ اُس کا نخلِ محبت بار آور ہو جاتا ہے۔ تمنائے وصالِ یار رہ رہ کر گدگداتی ہے۔ دل کی ذراسی وسعت میں تمناؤں کی بے شمار دنیا آباد ہو جاتی ہیں آخر ایک صبح کو گوہر بانو حسب معمول کالج روانہ ہوتی ہے۔ راستہ میں پھر اُس کی کار سلطان مرزا کے پہلو سے گزرتی ہے۔ باوفا اور جاں فروش عاشق کو دیکھتے ہی ایک بند لفافہ زمین پر گراتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔ سلطان مرزا جو شامِ ہجر کو شامِ وصال بنانے کا ہر گھڑی ہر لحظہ آرزو مند ہے۔ ہمہ تن شوق ہو کر اس لفافہ کی طرف دوڑتا ہے۔ اُسے زمین سے اُٹھا کر چومتا ہے۔ اور بار بار آنکھوں سے لگاتا ہے۔ پھر کھول کر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کرتا ہے)

خط کا مضمون

گوہر کے دل کی دُنیا میں ہل چل ڈالنے والے۔ گوہر کا صبر و قرار چھین لینے والے۔ گوہر کے دلآرام بعد اشتیاقِ ملاقات و تمنائے دیدار کے واضح ہو۔ کہ گوہر تمہارے ہجر میں اپنی چمک دمک کھو بیٹھی ہے۔ اس کے برق سے زیادہ مضطرب اور شیشہ سے زیادہ نازک دل کو تم سے ایک لمحہ بھی جدا رہنے کی تاب نہیں۔ تمہارے فراق کی سختیاں اور الجھنیں زندگی کی تمام تلخیوں

اور اُلجھنوں سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ تمہاری یاد دلنشیں ہے۔ تمہاری موہنی صورت آنکھوں میں کھنچی ہے۔ میرے مسیحا آؤ اور میرے دل کے زخموں پر پھاہا رکھو۔ آج بابا جان شہر سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ پرسوں واپس آئینگے میں ساڑھے چھ بجے شام کو کمپنی باغ میں گل گشت کے لئے تنہا جاؤں گی پیارے سلطان کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ تم میری تنہائی پر رحم کھاتے۔ کمپنی باغ میں غیرت گل بن کر آتے اور اپنے رنگ اپنی بو سے میرے دیدہ شوق میرے دلِ پُر حسرت و ارمان کو حقیقی مسرت بخشتے۔

فقط والسّلام

تمہاری فرقت میں طائر نیم جان کی طرح تڑپنے والی تمہاری دلدادہ

گوہر بانو

(سلطان مرزا لفافہ کو جیب میں رکھتا ہے۔ اب اُس کی خوشی و خرمی اُس کے بال بال سے ٹپکنے لگتی ہے۔ شادمانی کے آنسو آنکھوں میں اُمنڈ آتے ہیں۔ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتا۔ اندیشہ ہے۔ کہ یہ غیر معمولی مسرّت شادیٔ مرگ نہ بن جائے۔ آج اُس کا دن کالج میں نہیں بلکہ عیش و عشرت فرحت و مسرّت اور حسرت و ارمان کی چہل پہل والی بہشت میں بسر ہو گا)

پردہ

باب اوّل

منظر ششم

کمپنی باغ

(چھ بج چکے ہیں۔ گھر بانو مجسم انتظار بنی ہوئی کمپنی باغ میں موجود ہے۔ اور دل کی دھڑکنوں میں انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہے۔ اُس کا تاباں چہرہ پھولوں کی خوشنما انجمن میں شمع کا پارٹ کر رہا ہے۔ رُخ پر جب زُلفیں سرک آتی ہیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ روز روشن کے آئینہ میں عروس شب اپنے گیسو سنوار رہی ہے۔ غرضیکہ یہ نو واردِ میدانِ محبت ایک عجیب و غریب کشمکش کے ساتھ اپنے صبر و قرار کے آئینہ دار کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ اُسے آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوتی۔ کہ اُس کا عاشق جانباز بھی حسرت و ارمان کا ایک لشکر جرار لے کر سامنے آتا ہے دونوں زخم خوردگان تیغ انتظار ہمہ تن شوق بنکر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر پھولوں کی بہار دیکھنے لگتے ہیں۔ پھولوں کو کبھی ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ کبھی سونگھنے لگتے ہیں۔ اور کبھی توڑ کر ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔)

گھر بانو:۔ (ایک پھول کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو یہ پھول کتنا خوبصورت ہے نہ۔ مانو سُرخ موتی ہے۔

سلطان مرزا:- (مسکرا کر اور گہر بانو کی طرف اشارہ کر کے) مگر اس گہر کی سی آب و تاب کو ترس رہا ہے۔

(گہر بانو شرما جاتی ہے۔ لیکن حیا کے ساتھ تبسّم زیر لب بھی اپنی بہار دکھاتا ہے)

گہر بانو:- (ایک دوسرے پھول کو ہاتھ میں لے کر) دیکھو اس پھول کی کیسی اچھی مہک ہے۔

سلطان مرزا:- (مسکرا کر اور گہر بانو کے بالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مگر ان بالوں کی خوشبو کو کہاں پا سکتا ہے؟

(پہلے تو گہر بانو تبسّم کناں شرما سی جاتی ہے۔ پھر دونوں ہنسنے لگتے ہیں)

سلطان مرزا:- (مسکرا کر) آج تو کمپنی باغ کا اور ہی سماں ہے ہے نہ پیاری گہر؟

گہر بانو:- (مسکرا کر) ہاں (قدرے توقف کے بعد) مگر تم بتا سکتے ہو۔ کہ کیوں؟

سلطان مرزا:- جنّت کا باغ بھی حوروں کے بغیر سونا ہو سکتا ہے۔

گہر بانو:- (ادا سے مسکرا کر) اور غلماں کے بغیر نہیں۔

(دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں)

(تھوڑی دیر کے بعد پھولوں کی مار شروع ہو جاتی ہے)

سلطان مرزا:- (مسکرا کر) آج تو اس کمپنی باغ میں ایک انوکھا پھول کھلا ہے۔

گھر بانو:۔ (مسکرا کر) ہاں (قدرے توقف کے بعد) اور ایک انوکھا پھول توڑنے والا ابھی تو موجود ہے۔ اور مَیں تو بھی ڈر رہی ہوں کہ کہیں وہ توڑ نہ لے جائے۔ اس بیچارے پھول کو۔

(دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (مسکرا کر) آج تو اس پھولوں کی انجمن میں ایک نیا چراغ جل رہا ہے۔ جس نے اپنی روشنی سے گوشہ گوشہ کونہ کونہ معمور کر رکھا ہے۔

گھر بانو:۔ (مسکرا کر) ہاں (قدرے توقف کے بعد) اور ایک نئے قسم کا پتنگا بھی تو اُس چراغ کے نزدیک ہے۔ جو اپنی بے تابی سے بے تاب کر رہا ہے چراغ کی لو کو بھی۔ اور مجھے تو بھی رہ رہ کر خیال آتا ہے۔ کہ کہیں بے چارہ جل نہ جائے چراغ میں۔

(دونوں بڑی زور زور سے ہنسنے لگتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (مسکرا کر) آج تو اس پھولوں کی دنیا — میں ایک اور ہی چاند نکلا ہے۔ جس نے اپنی چمک دمک سے خود چاند کو شرما رکھا ہے۔

گھر بانو:۔ (مسکرا کر) ہاں (قدرے توقف کے بعد) اور اُس چاند کے گرد ایک ہالہ بھی تو ہے۔ جس نے بیچارے چاند کو عمر بھر کے لئے قید کر رکھا ہے۔

(پھر دونوں زور زور سے ہنسنے لگتے ہیں۔ آخر بادۂ عیش و مسرت کے کیف میں باہم طوطیٔ چمن و مطربِ انجمن بن کر نغمہ پیرا ہو جاتے ہیں)

گانا

(باہم)

گہر بانو۔ مجھے بیخود و مست بنا دے کوئی — مجھے جام پہ جام پلا دے کوئی
سلطان مرزا۔ مجھے محرمِ عیش بنا دے کوئی — مجھے وصل کا جام پلا دے کوئی
گہر بانو۔ پڑی اوس کلی کو کھلا دے کوئی — رُخ دھو کے چمن کو ہنسا دے کوئی
سلطان مرزا۔ گلِ خندہ وہ لب پہ کھلا دے کوئی — کہ چمن کے چمن کو ہنسا دے کوئی
گہر بانو۔ جیسے گاتی ہے بلبلِ باغِ طرب — وہی نغمۂ صبح سنا دے کوئی
سلطان مرزا۔ جیسے گاتا ہے مطربِ بزمِ طرب — وہی نغمۂ شام سنا دے کوئی

(اس عیش و عشرت کے جلسے میں بڑی دیر ہو جاتی ہے۔ جس کی وارفتگانِ عشق کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ گہر بانو بیگم متردد ہو کر حشمت کو پتہ لگانے کے لئے بھیجتی ہیں۔ حشمت سب سے پہلے کمپنی باغ آتا ہے اور دور ہی سے شاطرانِ بساطِ محبت کی عجوبہ بازی کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتا ہے۔ اور کہیں آڑ میں روپوش ہو جاتا ہے۔ وہ ان دونوں کو دیکھ لیتا ہے۔ لیکن یہ دونوں اُسے نہیں دیکھ پاتے۔ حشمت اپنی جگہ سے سب تماشا دیکھتا رہتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس جا کر گہر بانو بیگم کو کل واقعات کی خبر کرتا ہے۔ گہر بانو بیگم مارے غصے کے آگ کھاتی ہیں۔ انگارے اگلتی ہیں۔ آخر گانا ختم ہوتا ہے۔ گہر بانو کو یکایک خیال آتا ہے۔ کہ اُسے بہت دیر ہو گئی ہے)

گہر بانو:۔ (گھبرا کر) اُف۔ فوہ۔ بہت دیر ہو گئی۔ امی جان میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ مجھے فوراً جانا چاہئیے۔ ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ وہ

کسی کو میری تلاش میں نہ بھیجیں اور پھر سب راز فاش ہو جائے۔

سلطان مرزا:۔ (ملول ہو کر) ہاں چاہیئے تو جانا

(دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ہاتھ دیئے کار تک آتے ہیں۔ گھر بانو کار میں بیٹھ جاتی ہے۔)

سلطان مرزا:۔ (پُر حسرت لہجہ میں) اب کب دیدار ہو گا؟

گھر بانو:۔ (مسکرا کر) جلد ملوں گی۔ گھبراؤ نہ (ہاتھ کے اشارہ سے سلام کر کے روانہ ہو جاتی ہے)

سلطان مرزا:۔ (ہاتھ کی حرکت سے سلام کا جواب دیتے ہوئے) خدا حافظ (گھر کی راہ لیتا ہے)

(گھر بانو بات کی بات میں گھر پہنچ جاتی ہے۔ لیکن حشمت اس سے پہلے پہنچ چکا ہے۔ اور مہر بانو بیگم کو کل واقعات کی سنی سنی خبر ہو چکی ہے گھر بانو کار سے اتر کر سیدھی ماں کے پاس جاتی ہے۔)

مہر بانو بیگم:۔ (دور ہی سے اور درشتی کے لہجے میں) میں کہے دیتی ہوں کہ آج سے تم تنہا کمپنی باغ کبھی نہ جاؤ گی۔ (قدرے توقف کے بعد) اور پندرہ روز کے بعد تو تمہیں کلکتہ بھیج ہی دوں گی میں۔

گھر بانو:۔ (حیرت سے) کیوں امی کیوں؟ کیا ہوا؟

مہر بانو بیگم:۔ میری خوشی۔

گھر بانو:۔ (آزردگی کے لہجہ میں) نہ جاؤں گی (اپنے کمرے میں جا کر اور مسہری پر لیٹ کر حسرت کے لہجہ میں) معلوم ہو گیا۔ امی کو معلوم ہو گیا۔ سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اب کیا ہو گا؟ اب میں سلطان سے جدا کر دی جاؤں گی سلطان سے نہ مل سکوں گی۔ سلطان کی گود سے نوچ لی جاؤں گی۔

ہائے یہ کیا ہوا۔ میرے اللہ۔ میرے اللہ (سکوت کے بعد) پر کیسے معلوم ہوا وہاں تو کوئی نہ تھا۔ میں تھی اور سلطان تھے۔ سلطان تھے۔ اور میں تھی نہ جانے کیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے اللہ۔ میرے اللہ۔ (خاموش ہو جاتی ہے)

پردہ

باب دوئم

(ہجر)

باب دوئم

منظر اوّل

مرزا عثمان بیگ کا مکان

(شام کا وقت ہے چھ بج چکے ہیں۔ سلطان مرزا اپنے کمرے کے اندر عالم اضطراب میں ٹہل رہا ہے۔ آنکھیں ہیں۔ کہ خون کے آنسو رو رہی ہیں اور وہ ہے کہ انہیں رسوائی کے ڈر سے نذرِ آستین کر دیتا ہے۔ دل الگ سینے میں طائرِ نیم کشتہ کی طرح تڑپ رہا ہے۔ ادھر تو یہ ہوتا ہے۔ اِدھر رازِ عشق طشت از بام ہو جاتا ہے۔ گہر بانو کے لئے سخت قید عائد کی جاتی ہے۔ وہ اب تنہا کالج نہیں جا سکتی۔ ڈرائیور فرشتۂ موت کی طرح ساتھ جاتا ہے نوکر اور نوکرانیاں کراماً کاتبین بنتے ہیں۔ قیدِ محبت میں تو پہلے ہی گرفتار ہو چکی تھی۔ اب اس ناگہاں قید کی زنجیروں میں جکڑی جاتی ہے۔ عاشق کے پہلو میں محبت کا زخم خوردہ دل بہلانے کی ہر ممکن صورت ناممکن ہو جاتی ہے۔ راہِ وصال میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ تمناؤں پر یاس و حرماں کے چرکے لگتے ہیں۔ دو ہفتے گزرتے ہیں۔ گہر بانو سے بات کرنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ آخر گہر بانو سلطان مرزا کے نام ایک خط لکھتی ہے۔ اور وہ خط اسی منحوس گھڑی چھوٹے خاں سلطان مرزا کو لا کر دیتا ہے۔ جسے وہ

چومتا ہے۔ اور آنکھوں سے لگاتا ہے۔ پھر کھول کر پڑھنے لگتا ہے)

خط کا مضمون

میری آرزوؤں کے لالہ زار میری تمناؤں کی گلزار۔ خوش رہو۔

کیا لکھوں اور کیونکر لکھوں۔ ہوش اُڑے جاتے ہیں۔ دل دھڑکتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہی لکھوں کہ ضبط سے کام لو اور مجھے بھول جانے کی کوشش کرو۔ ہم اب تمہاری اور تم میرے نہیں ہو سکتے۔ میرا راستہ اور تمہارا راستہ اور ہے۔ محبت کا نہ چھپ سکنے والا راز طشت از بام ہو چکا۔ پیارے سلطان صبر سے کام لے کے۔ دل و جگر پر پتھر رکھ کر آرزوؤں کا خون کر کے تمناؤں کا گلا گھونٹ کر دل کہیں اور بہلا لو۔ میرے وصال، میرے دیدار کی اُمید کو ایک امیدِ موہوم سمجھ کر دل سے فراموش کر دو۔ دنیا فانی ہے۔ اس عمر دو روزہ کو خوش باشی میں بسر کرو۔ میں پندرہ روز کے بعد اپنے ماموں کے یہاں کلکتہ بھیج دی جاؤں گی، اور اب وہ منحوس گھڑی آ رہی ہے کہ جب تم محروم ہو جاؤ گے۔ میرے دیدار سے بھی۔ اس لئے میں تم سے بار بار کہتی ہوں، منت سے کہتی ہوں، سماجت سے کہتی ہوں کہ خدا کے لئے اور میری منت و سماجت کا پاس کر کے مجھے بھول جاؤ۔ مجھ سے ترک محبت کر لو۔ آہ محبت۔ تیرے یہاں کامیابی نہیں۔

فقط والسلام

تم سے جدا ہونے والی تمہاری گوہر بانو

(نامراد عاشق خط پڑھتے ہی چیخ مار کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ چھوٹے خاں چیخنے کی آواز سن کر دوڑا ہوا کمرے میں آتا ہے۔ اور اسے زمین سے

اُٹھاتا ہے)

چھوٹے خاں :- (حسرت سے) حضور کا مزاج کیسا ہے؟ آخر یہ ہُوا کیا؟

سلطان مرزا :- کچھ نہیں چھوٹے خاں۔ مَیں اچھا ہوں۔

چھوٹے خاں :- تو پھر کھانا کھا لیں نہ حضور

سلطان مرزا :- نہیں چھوٹے خاں تم جاؤ۔ مجھے بھوک نہیں ہے مَیں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔

چھوٹے خاں :- بہت اچھا حضور (کمرے سے چلا جاتا ہے۔)

(اب دنیاوی کھانا سلطان کے لئے نہیں ہے۔ کاتبِ تقدیر نے اُس کی قسمت میں غم کھانا اور خونِ جگر پینا لکھ دیا ہے۔ بسترِ اندوہ پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔ کبھی روتا ہے۔ کبھی سکوت کے عالم میں ہو جاتا ہے۔ کبھی محبوبہ کی خیالی تصویر سے باتیں کرنے لگتا ہے)

سلطان مرزا :- گوہر میری گوہر۔ میری رگ رگ کی جان۔ میری رُوح کا ارمان۔ میری قسمت کا ستارہ۔ میری زندگی کا سہارا۔ دل سے نزدیک۔ آنکھوں سے دُور۔ میری پری۔ میری حور۔ تم مجھے چھوڑ جاؤ گی گوہر۔ میرے شیشۂ دل کو توڑ جاؤ گی گوہر۔ کمبخت آسمان تجھ سے ہماری خوشیاں نہ دیکھی گئیں۔ آہ ظالم تیری آنکھیں نہ پھوٹ گئیں۔ اے گوہر بانو کو آغوش میں لینے والے ہاتھو تنکے چننے کے دن آ گئے۔ اے گوہر بانو کی موہنی صورت دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی ہونے والی آنکھو۔ تارے گننے کے دن آ گئے۔ سلطان! ہنس چکے اب عمر بھر رونا ہے۔ (خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر آپ ہی آپ گانے لگتا ہے۔)

گانا

محنتِ عشق وہ برباد کئے جاتے ہیں — خونِ صد حسرتِ فرہاد کئے جاتے ہیں
پھر لیں پردہ سوئے جاتے ہیں بیدار کے بعد — شاد کرکے مجھے ناشاد کئے جاتے ہیں
مرنے والے ہی سے کھدواتے ہیں تربت اسکی — اپنے ہاتھوں سے برباد کئے جاتے ہیں
مجھ کو یہ کہہ کے دیئے جاتے ہیں لعنت کا صلہ — لے تجھے مائل فریاد کئے جاتے ہیں
توڑے جاتے ہیں جدا ہو کے مرا بندِ حیات — مارے جاتے ہیں کہ آزاد کئے جاتے ہیں

(گانا ختم ہوتا ہے۔ لیکن عاشقِ مہجور کے اضطراب و دردِ فرقت میں کمی نہیں ہوتی اور وہ کروٹیں بدلتا رہ جاتا ہے)

پردہ

باب دوئم

منظر دوئم

مرزا عثمان بیگ کا مکان

(رات کا وقت ہے۔ کمرے میں سلطان مرزا جس کی حالت مفارقت کے صدمہ جانگسل نے دگرگوں کر رکھی ہے۔ بسترِ بیماری پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ مرزا عثمان بیگ پاس ہی بیٹھے اپنے گرانقدر بخش بہادر یکتا کی آب و تاب گھٹتے دیکھ کر اشکوں سے دامن و آستین بھگو رہے ہیں۔ اتفاقاً گہر بانو کا دعائی خط ان کے ہاتھ پڑ چکا ہے۔ اور لختِ جگر کی دل

فروشی کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب آتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ :- آداب عرض ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب :- آداب عرض

(ڈاکٹر صاحب مریض کی طرف جاتے ہیں۔ اور اُس کی حالت کا معائنہ کرتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ :- (تردّد سے) ڈاکٹر صاحب اب کیا حال ہے اس کا ؟

ڈاکٹر صاحب :- (کچھ سکوت کے بعد) گھبرائیں نہیں علاج تو ہو ہی رہا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے۔ تو ضرور اچھا ہو جائے گا۔ (دوا دیتے ہوئے) یہ لیجئے یہ دوسری دوا ہے۔ اسے پلایئے۔ (ذرا سے توقف کے بعد) آداب عرض (چلے جاتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ :- آداب عرض

(ڈاکٹر صاحب کے جاتے ہی نریندر بابو عیادت کے لئے آتے ہیں)

نریندر بابو :- آداب عرض

مرزا عثمان بیگ :- کون ؟ مسٹر نریندر۔ آداب عرض

نریندر بابو :- کیا حال ہے سلطان کا اب ؟

مرزا عثمان بیگ :- کیا حال بتاؤں بیٹا تم خود ہی دیکھ لو نہ۔ پژمردہ پڑا ہے)

(سلطان مرزا آنکھیں کھول دیتا ہے۔ لیکن نقاہت سے زبان نہیں کھلتی۔ مرزا عثمان بیگ ڈاکٹر صاحب کی تسلی پر۔ اور نریندر بابو کو سلطان مرزا کے پاس بیٹھا دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے کمرے میں چلے جاتے ہیں

اور کئی روز کے تکان کے باعث دفعتاً اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے)

سلطان مرزا:۔ نریندر بابو آپ آگئے (ضعف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے)

نریندر بابو:۔ ہاں مَیں آگیا۔ اور کیوں نہ آتا؟ مگر تم ہو کیسے؟

(سلطان مرزا کے آنسو نکل پڑتے ہیں)

نریندر بابو:۔ (حیرت سے) آنسو! سلطان! آنسو (قدرے توقف کے بعد) تم اُس روز بھی اُداس تھے۔ تصویر یاس بنے۔ آنکھوں میں حسرت جاگ رہی تھی۔ یہی کیفیت تھی۔ مَیں سمجھ گیا۔ مَیں جان گیا۔ تمہیں جدائی کا روگ لگا ہے۔ تمہیں عشق کی بیماری ہے۔

سلطان مرزا:۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) ہائے اللہ یہ ہی ہوئی محبت کب تک چھپے گی۔ وقت آگیا گھڑی آگئی۔ نریندر بابو میرے دوست میرے رازدار۔ سچ مچ ایسا ہی ہے۔

نریندر بابو:۔ سلطان! محبت میں دوست ہی دوست کا پہلا راز دار ہوتا ہے۔ لیکن میرے دوست بتاؤ نہ کس کے تیرِ نظر کا شکار ہوئے؟ کس کے لئے بے قرار ہوئے؟

سلطان مرزا:۔ (دبی زبان) گوہر بانو

نریندر بابو:۔ (حیرت کے لہجہ میں) گوہر بانو (سکوت کے عالم میں ہو جاتا ہے)

سلطان مرزا:۔ (گھبرا کر) چپ کیوں ہو نریندر بابو؟ کیا سوچ رہے ہو؟

نریندر بابو:۔ (افسردگی سے) یہی کہ منزل کٹھن اور رسائی ناممکن ہے۔

سلطان مرزا:۔ (متوحش ہو کر) پھر اب کیا ہو گا؟

نریندر بابو:۔ سمجھ سے کام لینا ہو گا۔ دل پہ پتھر رکھنا ہو گا۔ ترک

محبت کرنا ہوگا۔ گہر بانو کو بھول جانا ہوگا۔

سلطان مرزا۔ لیکن نریندر بابو۔ میرے دوست یہ کبھی ہوا ہے ہو سکتا ہے۔ محبت آپ سے آپ بچھڑی ہے۔ بچھڑ سکتی ہے۔

نریندر بابو۔ سلطان مَیں پھر کہوں گا۔ کہ دل کو قابو میں رکھو ضبط سے کام لو۔ ابھی وقت ہے۔ عشق کا جن سر سے اُتر سکتا ہے۔ خزاں بہار ہو سکتی ہے۔ تلخ زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے۔

سلطان مرزا:۔ لیکن نریندر بابو تدبیر تقدیر سے نہیں لڑ سکتی

نریندر بابو:۔ پیارے دوست۔ دیوانے نہ ہو۔ پاگل نہ بنو۔ زندگی کے بیش قیمت لمحے آہیں بنا کر نہ اُڑاؤ۔ جوانی کا جوشیلا خون آنکھوں کی راہ نہ بہاؤ۔ اپنی حالت بد سے بدتر نہ بناؤ۔

سلطان مرزا:۔ یہ کیا کروں۔ مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔ نریندر بابو نہیں ہو سکتا۔ مَیں گہر بانو کی شیریں یاد کو نہیں بھول سکتا۔ مَیں اس کی موہنی صورت کا نقش صفحۂ دل سے نہیں مٹا سکتا۔

نریندر بابو:۔ سلطان پچھتاؤ گے۔

سلطان مرزا:۔ نریندر بابو۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ زخم پر مرہم رکھنے آئے نمک چھڑک رہے ہیں۔

نریندر بابو:۔ میرے دوست یہ تمہاری بھول ہے۔ دوست کا کام مرہم رکھنا ہے۔ نمک چھڑکنا نہیں۔

سلطان مرزا:۔ نریندر بابو۔ مَیں ہمدردی چاہتا ہوں۔

نریندر بابو:۔ پیارے سلطان مَیں ہمدردی ہی کرتا ہوں۔

سلطان مرزا:۔ یہ بیدردی ہے۔

نریندر بابو:۔ یہی ہمدردی ہے۔

سلطان مرزا:۔ مجھے ایسی ہمدردی نہ چاہیئے۔

نریندر بابو:۔ تمہیں ایسی ہی ہمدردی کی ضرورت ہے۔ سمجھانا نریندر کا فرض ہے۔ سمجھنا نہ سمجھنا سلطان کا کام ہے۔ (سکوت کے بعد) پیارے سلطان اب اجازت چاہتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔

سلطان مرزا:۔ جائیے گا؟

(نریندر بابو جانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے) آداب عرض۔

نریندر بابو:۔ (مصافحہ کرتے ہوئے) آداب عرض (چلے جاتے ہیں)

(ادھر تو یہ ہو رہا ہے ادھر عشق کامل کی کشش اپنا رنگ دکھاتی ہے گھر بانو بےقرار ہوتی ہے۔ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلتی ہے۔ اور کار پر بیٹھ کر تن تنہا سلطان مرزا کے گھر کی راہ لیتی ہے۔ سلطان مرزا جس کی خونچکاں آنکھوں میں نیند ہمیشہ کے لئے کافور ہو جا چکی ہے۔ آنکھیں بند کئے ہوئے پڑا ہے۔ بانو کی آہٹ سے آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اتنی رات گئے محبوبہ کو اپنے کمرے میں تن تنہا دیکھ کر حیرت تو ہوتی ہے لیکن دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ رگوں میں مسرت و شادمانی کی لہر سی دوڑ جاتی ہے۔ سچ ہے انھی زلف کے کاٹے ہوئے کے حق میں شربتِ دیدارِ حبیب ہی تریاق ہوتا ہے۔ گھر بانو سرِ بالیں بیٹھ جاتی ہے)

گھر بانو (محبت کے لہجہ میں) کیسا ہے جی سلطان؟ کس حال میں ہو تم میری جان، تمہارا یہ درد و دکھ نہیں دیکھا جاتا۔ گھر بانو سے کلیجہ

منہ کو آتا ہے۔ بولو خدا کے لئے بولو۔ اپنی گھر کے لئے بولو۔ (جواب نہ پا کر اور دیر تک محوِ سکوت رہ کر جاتے ہوئے) سلطان نہ بولو گے میں جاتی ہوں۔ مجھے نہ روکو گے ؟ (چار ناچار چلی جاتی ہے)

(سلطان مرزا کو جو کچھ تو بیماری کی اذیت کچھ انتہائے مسرت کچھ رُعبِ حسن اور کچھ محویتِ جمال یار سے رہی سہی طاقتِ گفتار کھو بیٹھتا ہے۔ محبوبہ کے سوالات کا جواب نہ دے سکنے پر سخت ندامت ہوتی ہے۔ اتنے میں باہر سے گانے والی کی آواز آتی ہے۔

گانا

منتِ چشم اٹھاؤں تو اٹھائے نہ بنے — آنسوؤں سے بھی لگی دل کی بجھائے نہ بنے

حال پوچھیں وہ مرا مجھ سے مرے لب نہ کھلیں — بات ایسی بھی نہ بگڑے کہ بنائے نہ بنے

ہوں وہ بیمارِ محبت ملک الموت سے بھی — جس کو مارے نہ بنے جس کو جلائے نہ بنے

میری بالیں سے وہ جائیں مگر اے جذبۂ دل — یوں مجھے چھوڑ کے جائیں کہ بن آئے نہ بنے

بند آہیں نہ ہوں آنسو نہ تھمیں فرقت میں،
رازِ غم راز ہے وہ جس کو چھپائے نہ بنے

(گانا ختم ہوتا ہے۔ اور گانا ختم ہوتے ہی شدتِ اندوہ ندامت سے سلطان مرزا کو غش آ جاتا ہے۔ ادھر تو یہ ہو رہا ہے۔ ادھر محبت کی کشش پھر اپنا اعجاز دکھاتی ہے۔ اور گوہر بانو دوبارہ سلطان مرزا کے گھر کا رخ کرتی ہے۔ لیکن بسترِ اندوہ پر عاشقِ بیمار کو اپنے معصوم خیال کے مطابق محوِ خواب پا کر بادلِ ناخواستہ حسین آنکھوں میں روتی ہوئی دنیا لئے ناکام نامراد واپس چلی آتی ہے آنے کے بعد کچھ دیر عالمِ سکوت و ملال میں بیٹھی رہتی ہے۔ پھر

یکایک نغمۂ غم آگیں چھیڑ دیتی ہے۔

گانا

کیا پوچھتے ہو کیا تم سے کہیں ہم عشق میں کیا کیا بھول گئے
فرقت میں تو مرنا یاد رہا جو یاد رہا تھا بھول گئے
شب ہجر کی کاٹے کٹ نہ سکی جاتی تھی کسی کی جان گئی
اور رہ گیا اتنا کہہ کے کوئی ہم وعدۂ فردا بھول گئے
جو عقل تھی کھوئی الفت میں جو ہوش تھے گم الفت میں ہوئے
وہ میرا مداوا کیا کرتے جو اپنا مداوا بھول گئے
انجام محبت عاشق کا تکمیلِ تمنا کیا کہیے
جب یاد نہ جینا ہم کو رہا اب درد سے مرنا بھول گئے

رگانا ختم ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم اندوہ وسکوت میں بیٹھی رہ جاتی ہے

پردہ

باب دوئم

منظر سوئم

مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر کا بنگلہ

(مرزا سلیمان بیگ اور مرزا عثمان بیگ جن کو اس بات کا پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ کہ اُن کے فرزند جگر بند نے جوانی کی امنگوں میں نقد دل محبت

کے نذر کر دیا ہے۔ اور فرہاد صفت دل بھی دیا ہے۔ تو ایک شیریں تھا کو جس کا وصال ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسا آفتاب عالمتاب کا بجائے اُفقِ مشرق کے اُفقِ مغرب سے طلوع ہونا۔ آمنے سامنے ایک ایک کوچ پر بیٹھے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ:- کیسے تکلیف کی بھائی جان؟

مرزا عثمان بیگ:- تقدیر کا چکر لے آیا سلیمان

مرزا سلیمان بیگ:- (حیرت سے) میں نہیں سمجھا۔

مرزا عثمان بیگ:- جب دل میں درد کا طوفان اُٹھتا ہے۔ تو دوا کی جستجو در در کی ٹھوکریں کھلواتی ہے۔

مرزا سلیمان بیگ:- آپ پہیلیاں بوجھا رہے ہیں بھائی جان۔

مرزا عثمان بیگ:- جب حاجتمند کی حاجت روائی سرے ہی سے ناممکن ہوتی ہے۔ تو اُسے پہیلیوں ہی کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا ہے سلیمان۔

مرزا سلیمان بیگ:- لیکن میں پہیلیاں نہیں بوجھنا چاہتا

مرزا عثمان بیگ:- لیکن بگڑی ہوئی تقدیر مجھے پہیلیوں ہی میں گفتگو کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

مرزا سلیمان بیگ:- میں اصل مطلب جاننا چاہتا ہوں۔

مرزا عثمان بیگ:- میں اصل مطلب ہی کہنے کے لئے آیا ہوں۔

مرزا سلیمان بیگ:- تو پھر فرمائیے نہ۔

مرزا عثمان بیگ:- کہوں گا۔

مرزا سلیمان بیگ:- کب؟

مرزا عثمان بیگ:- ابھی۔ یہ سوچ لوں۔ سمجھ لوں۔ دل کو قابو میں لا لوں۔

مرزا سلیمان بیگ :- فرمائیے۔ خدا کے لئے فرمائیے

مرزا عثمان بیگ :- بھائی سلیمان تم جوہری ہو۔ میں تم سے تمہارا اچھوتا اکلوتا موتی اپنے سلطان کے لئے مانگنے آیا ہوں۔

مرزا سلیمان بیگ :- (ترش رو ہو کر) یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

مرزا عثمان بیگ :- (آزردہ ہو کر) یہ کبھی نہیں ہو سکتا! پھر کیا ہو سکتا ہے؟ سلطان کا خون؟ مرزا عثمان کا خون؟ دونوں کا گم نشان؟ گھر کا گھر ویران؟

مرزا سلیمان بیگ :- یہ ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن

مرزا عثمان بیگ :- ناممکن۔ ہاں ناممکن (قدرے توقف کے بعد) شان و شوکت کے نزدیک۔ دولت و ثروت کے نزدیک۔ لیکن ممکن ہے۔ عقل اور حکمت کے نزدیک مصلحت اور ضرورت کے نزدیک

مرزا سلیمان بیگ :- (کچھ سکوت کے بعد) لیکن مہربانو کی ماں کیونکر منظور کریں گی۔ بھائی جان۔

مرزا عثمان بیگ :- کوشش کرو بھائی سلیمان۔ عقل یہی رائے دیتی ہے۔ مصلحت یہی چاہتی ہے۔ (قدرے توقف کے بعد) کوشش سے محنت سے ناممکن ہو سکتا ہے ممکن۔

(کچھ سکوت کے بعد مرزا سلیمان بیگ اٹھ کر مہربانو کے کمرے میں جاتے ہیں۔ مہربانو بیگم اپنی مسہری پر اطمینان سے بیٹھی چھالیا کتر رہی ہیں۔ مرزا سلیمان بیگ مسہری پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

مرزا سلیمان بیگ :- (کچھ سکوت کے بعد) بیوی یہ تو تم جانتی ہی

ہو کہ محبت کے شعلے دو دلوں میں برابر بھڑک رہے ہیں۔ اگر سلطان گنہگار محبت ہے۔ تو گوہر بانو بھی مجرمِ الفت ہے۔ پس تم نے گوہر بانو کے دل کی سلگتی ہوئی چنگاری بجھانے کی کیا تدبیر سوچی ہے؟

مہر بانو بیگم:۔ (مرزا سلیمان بیگ کا منہ تکتے ہوئے) تدبیر! (قدرے توقف کے بعد) تم فکر مند ہو۔؟

مرزا سلیمان بیگ:۔ فکر مند اور بہت زیادہ فکر مند

مہر بانو بیگم:۔ اے۔ ہے۔ ایسا بڑا سوچ۔ توبہ۔ توبہ۔ اگر مردوں کے ناک نہ ہو تو غلیظ ہی کھالیں (قدرے توقف کے بعد) اچھا تو میں ماں ہوں تو تم باپ ہو۔ تم نے بھی سوچی ہے کوئی تدبیر؟

مرزا سلیمان بیگ:۔ میں نے! یہ مجھ سے نہ پوچھو۔ مصلحت اور ضرورت سے پوچھو۔

مہر بانو بیگم:۔ میری سمجھ میں تو خاک نہ آیا۔ صاف کہتے کیوں نہیں؟

مرزا سلیمان بیگ:۔ (دبی زبان) گوہر بانو کی شادی سلطان مرزا کے ساتھ

مہر بانو بیگم:۔ (غضب ناک ہو کر) نوج۔ نوج۔ (قدرے توقف کے بعد) اکلوتی بیٹی کے لئے ایسا برا بھاکا۔ یہ تم کہہ رہے ہو باپ ہو کر۔ اللہ توبہ اللہ توبہ۔ نوج ایسا باپ ہو کہ بیٹی کی مٹی خراب کرنے پر تلا ہو۔ اور پھر کیسی بیٹی

مرزا سلیمان بیگ:۔ میں باپ ہوں اور باپ کو یہی کرنا چاہیئے۔ خواہش سے نہیں۔ دل سے نہیں۔ مجبوری سے مصلحت سے

مہر بانو بیگم:۔ (منہ بنا کر) اے۔ ہے۔ ایسی بڑی مجبوری۔ یہ کیا کہے چلے جا رہے ہو۔ (قدرے توقف کے بعد) سلطان کی شادی گوہر بانو کے ساتھ

چھوٹا منہ بڑی بات۔ کہاں وہ جنگلی کہاں میری دل آرا دل پسند۔ توبہ۔ توبہ اطلس میں ٹاٹ کا پیوند۔

مرزا سلیمان بیگ:۔ میں پھر کہتا ہوں پیاری بیوی سمجھ سے کام لو۔ دل کی آنکھوں سے دیکھو۔ عقل اور ہوش کے کانوں سے سنو۔

مہربانو بیگم:۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ مرزا قاسم بیگ ایسا شوہر پاکر بھی گہرباتو سلطان کو نہ بھولے گی؟

مرزا سلیمان بیگ:۔ ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔ دل کی لگی کو کون جانتا ہے۔ محبت کی آگ وہ آگ ہے۔ جو سمندر کے بجھائے نہیں بجھ سکتی۔ جدائی کے آنسو آنسو نہیں۔ وہ سیلاب ہے۔ جو پہاڑ کے روکے نہیں رک سکتا۔

مہربانو بیگم: تم اندھے ہوئے ہو۔ میں اپنی گہر کو مرزا قاسم بیگ ایسا دولت مند ہونہار لڑکا چھوڑ کر سلطان ایسے دو کوڑی کے چھوکرے کے ساتھ بیاہوں گی۔

مرزا سلیمان بیگ:۔ بیوی تمہاری آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ یہ چال عقلمندوں کی نہیں۔ یہ تو آگ کو آگ سے بجھانا اور پانی کو پانی سے خشک کرنا ہے۔

مہربانو بیگم:۔ (شور مچا کر) چلے جاؤ۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے تلوؤں میں آگ نہ لگاؤ۔ مجھے سر سے پیر تک نہ جلاؤ۔ جاؤ۔ جاؤ۔ جہاں تمہاری بیٹی ہو۔ بیاہ دو۔ اگر تم اسی پر تلے ہوئے ہو تو میں بھی اپنا اور گہربانو کا گلا ہی گھونٹ دوں گی۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری (مہربانو بیگم کی فلک شگاف چیخیں سن کر مرزا عثمان بیگ کا دل دہل جاتا ہے۔ چار ناچار

مرزا سلیمان بیگ باہر آتے ہیں)

مرزا سلیمان بیگ:- (مرزا عثمان بیگ سے) وہی ہوا نہ جو میں کہتا تھا۔

مرزا عثمان بیگ:- (آبدیدہ ہوکر) تو اب وہی ہوگا۔ جو میں کہہ چکا ہوں۔ (تھوڑے توقف کے بعد) آہ میرے بچے میرے لعل۔ اب تیرا اللہ ہی نگہبان ہے۔ تیرے بوڑھے باپ کی بھی تو تجھ پر جان ہے۔

(چلے جاتے ہیں۔ اور مرزا سلیمان بیگ سکتے کے عالم میں انہیں کو تکتے رہ جاتے ہیں۔)

پردہ

باب دوئم

منظر چہارم

ساحل دریائے جمنا،

(شام کا ہنگام سرعت گام ہے خسروِ آفتاب سنہری کرنوں کا آخری سلام دے رہا ہے۔ پرندے پیڑوں پر چہچہا رہے ہیں۔ اور بسیرا لینے کی فکر میں ہیں۔ ایک جانب فلک زدہ عاشق سلطان مرزا جو شربت دیدار محبوب نوش جاں کرکے بالکل اچھا ہو جاتا ہے۔ لیکن جس کے دل پر محبوبہ کے کلکتہ چلے جانے سے ایک دوسرا جاں فرسا غم ہوتا ہے۔ عالم حزن و ملال میں کھڑا اپنی کشور کشائے کشورِ دل سے مائل شکوہ خاموش ہے۔ مرزا عثمان بیگ

جو اپنے اکلوتے نورِ نظر قرۃ العین لعل بے بہا۔ دُرِ یتیم کی اس آشفتگی اس سراسیمگی پر زار زار خوننابہ بھرتے ہیں۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ادھر بھی آ نکلتے ہیں۔ آخر فرزند دلبند پر نظر پڑتی ہے۔ اپنے خون اور پسینہ سے سینچکر پروان چڑھائے ہوئے نخل تمنا کی سدا بہار پر خزاں کا تسلط دیکھ کر سینہ کوبی کرنے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے رنج و محن کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ دل ہلنے لگتا ہے اسی عالم بیقراری میں دبے پاؤں بیٹے کے قریب جاتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ:۔ (بہ حسرت آواز میں) بیٹا سلطان۔

(سلطان مرزا چونک پڑتا ہے اور منہ پھر کر دیکھتا ہے۔ باپ کو پاس کھڑا دیکھ کر مارے شرم و غیرت کے زمین میں گڑا جاتا ہے۔ اور نگاہیں نیچی کئے ہوئے ہکا بکا رہ جاتا ہے)

مرزا عثمان بیگ:۔ (درد کے لہجہ میں) اے میرے نازوں کے پالے ہوئے کیا ہو گیا ہے تجھے۔ اے میرے باغ تمنا کے پھول کیا ہوا تیرا رنگ۔ کیا ہوئی تیری بُو۔ اے میرے آسمانِ زندگی کے تارے کیا ہوئی تیری جگمگاہٹ۔ اے میرے کانِ دل کے انمول موتی کہاں گئی تیری آب تاب (قدرے توقف کے بعد) بیٹا اس بوڑھے باپ کو بھول گیا۔ تو جو ترس نہ آیا اس کے حال پر۔ کیا تیری پرورش میں لہو پانی ایک نہیں کیا میں نے؟ بیٹا اور دل کے زخموں پر پھاہا رکھ۔ ہوش کرو سلطان۔ دیکھو کس حال میں ہے۔ تمہارا باپ۔ چلو میرے ساتھ گھر چلو۔ دنیا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار نہ ہو۔ چلو بیٹا میں گھر لے چلوں گا تمہارا انہیں ایک پھول پھل دار درخت دیکھنے کی تمنا دل کی گود میں تڑپ رہی ہے۔ (سلطان مرزا کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ اور اسے گھر کی طرف لے جاتے ہیں۔)

سلطان مرزا :۔ مجھے کہاں لیئے جارہے ہیں ابا جان؟

مرزا عثمان بیگ :۔ بیٹا میں تجھے تیرے گھر لے چل رہا ہوں۔ وہ گھر جہاں تو پیدا ہوا ہے۔ جس کی گود میں تو پلا ہے۔ پروان چڑھا ہے۔

سلطان مرزا :۔ مجھے کہیں نہ لے جائیے ابا جان۔ یہیں رہنے دیجئے مجھے یہی میرا گھر ہے۔ میں یہیں جیوں گا یہیں مروں گا۔

مرزا عثمان بیگ :۔ (آبدیدہ ہو کر) یہ نہیں ہو سکتا سلطان۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں دیکھ سکتا تمہارا مارا مارا پھرنا۔ جب تک دم میں دم ہے میرے میں نہیں چھوڑ سکتا تمہیں۔ تم چراغ ہو میرے اندھیرے گھر کا۔ بغیر تمہارے میں اندھیرے گھر میں نہیں رہ سکتا۔

سلطان مرزا :۔ (غم آگیں لہجہ میں) خدا کے لئے مجھے یہیں رہنے دیجئے ابا جان۔ یہاں مجھے بہت آرام ہے۔ گھر میرے لئے ایک پنجرا ہے۔ جس میں میں ایک شکاری کی چڑیا بن کر نہیں رہ سکتا۔

مرزا عثمان بیگ :۔ نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا سلطان میں تمہیں لے جاؤں گا۔ اور ضرور لے جاؤں گا میرا تمہارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(سلطان مرزا کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور وہ سعادتمند لڑکا بھی جبراً و قہراً پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے)

پردہ

باب دوئم

منظر پنجم

کلکتہ میں گہر بانو کے ماموں کا بنگلہ۔

(رات کا وقت ہے۔ رات زیادہ گئی ہے۔ سناٹے کا یہ عالم ہے۔ کہ اگر کوئی آہستہ سے بھی کلام کرے تو گمان غالب ہے کہ اُس کی آواز ہمالیہ کی بالا بلند برف پوش چوٹیوں سے ٹکرائے بغیر نہ رہے۔ دنیا لحد کی نیند سو رہی ہے۔ گہر بانو اپنی خواب گاہ میں ایک مسہری پر باحسرت و یاس بیٹھی ہے۔ اُس کی ماموں زاد بہن راضیہ بانو جو اس کی سچی رازدار ہے۔ سامنے ہی ایک کوچ پر بیٹھی ہے)

راضیہ بانو:۔ میں پوچھتی ہوں تمہیں کیا ہو گیا ہے ان دنوں گہر بہن؟

گہر بانو:۔ سچ مچ مجھے کیا ہو گیا ہے راضیہ بہن؟

راضیہ بانو:۔ نہ کسی کے پاس اٹھنا نہ بیٹھنا نہ کسی سے ہنسنا نہ بولنا بھلا کوئی بات ہے ایسے بھی گزر ہو سکتی ہے دنیا میں؟

گہر بانو:۔ ناحق کو الجھتی ہو بہن۔ نہیں بھی چاہتا کبھی ہنسنے بولنے کو جی۔ اس میں کسی کا کیا؟

راضیہ بانو:۔ جب سلطان کی یاد سے فرصت ملے جبھی نہ ہنسو بولو۔ تمہیں تو بس سلطان کی دھن۔ سلطان کے نام کی رٹ رہ گئی۔ بار بار کہتی ہوں۔ کہ سلطان کا خیال چھوڑ دو بہن۔ سلطان کو بھول جاؤ۔ مگر جب

جوں کان پہ رینگے نہ۔

گھر بانو:۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) بھول جاؤں؟ سلطان کو بھول جاؤں؟ کیسے؟ یہ بھی بتاؤ نہ۔ مجھ سے تو نہیں بنتا بھولنے بہن۔

راضیہ بانو:۔ اے ہے۔ ایسی کٹھن بات۔ دنیا کو کیسے بھول گئیں ہنسنا کیسے بھول گئیں؟ بولنا کیسے بھول گئیں؟

گھر بانو:۔ بھلاتی تو ہوں راضیہ۔ وہ بھولنے ہی نہیں۔ میں کہتی ہوں چلے جاؤ میرے دل سے۔ وہ جاتے ہی نہیں۔ میں کہتی ہوں نہ آؤ میری آنکھوں میں وہ سنتے ہی نہیں۔

راضیہ بانو:۔ میرے اللہ یہ کیسی ہے نگوڑ ماری محبت؟ (قدرے توقف کے بعد) اچھا بہن تو تم کیوں چاہتی ہو سلطان کو؟

گھر بانو:۔ کیوں چاہتی ہوں؟ (آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے ہیں) مجھ سے نہ پوچھو۔ پوچھو میرے درد بھرے دل سے پوچھو۔ میری خون رونے والی آنکھوں سے پوچھو میری حسرتوں سے میرے ارمانوں سے۔

راضیہ بانو:۔ معاف کرنا بہن۔ یہ تمہاری ناسمجھی ہی تو ہے جو میرزا قاسم بیگ ایسے دولتمند انسان کو نظر میں نہ لاکر سلطان ایسے مفلس و نادار کا دم بھر رہی ہو۔ مانا کہ بی اے ہو جائینگے تو کیا تخت سکندری مل جائیگا انہیں۔

گھر بانو:۔ (آبدیدہ ہو کر) سلطان کی گود میری جنت ہے۔ سلطان کا آغوش میرا چمن عیش و عشرت ہے۔ جس نے گھر بانو کے دل کا شگفتہ سکھ چھین لیا۔ وہ گھر بانو کی قسمت سے تخت سکندری بھی حاصل کر سکتا ہے (قدرے توقف کے بعد) آہ دولت بے درد دولت تو گھر بانو کو سلطان سے اور سلطان کو گھر بانو سے نہ ملنے دے گی (قدرے توقف کے بعد ا ور ٹھنڈی

سانس لے کر) کاش میں غریب ہوتی۔ یہ منحوس دولت نہ میری رقیب بنتی

راضیہ بانو:۔ (سنجیدگی کے ساتھ) میری ننھی بہن۔ میری بھولی بھالی بہن۔ سوچنے کی بات ہے۔ کہ تم نے آنکھیں کھولیں دولت کی گود میں۔ پرورش پائی دولت کے گہوارہ میں معلوم ہوگا جب پڑے گی۔ نہ اٹھائی جائیں گی غربت کی سختیاں۔ خاک میں مل جائیں گی سب آرزوئیں اور حسرتیں۔ ترس ترس کر رہ ہو گی چین و آرام کو۔

گھر بانو:۔ (سنجیدگی کے ساتھ) تم سچ کہتی ہو بہن۔ میں مانتی ہوں دل سے مانتی ہوں (قدرے توقف کے بعد) لیکن سنو نہ راضیہ۔ غربت امارت ہو سکتی ہے۔ بگڑی ہوئی بات سنور سکتی ہے۔ سلطان کی حالت سدھر سکتی ہے۔

راضیہ بانو:۔ سب کہنے کی بات ہے۔ میں تو رہ رہ کر ہول کھاتی ہوں۔ کہ اگر پھوپھی جان اس کی بھنک بھی پا گئیں۔ کہ تم سلطان کو اب تک نہیں بھولیں۔ تو اللہ ہی جانے کیا کریں گی وہ۔

گھر بانو:۔ (آبدیدہ ہو کر) کیا کریں گی راضیہ؟ (قدرے توقف کے بعد) مجھے مار ڈالیں گی؟ میری تمناؤں کا خون کر ڈالیں گی؟ کیوں؟ کس لئے؟ صرف اس لئے کہ میں سلطان کو چاہتی ہوں۔ مجھے چاہنے دیں۔ جی بھر کے چاہنے دیں۔

راضیہ بانو:۔ تمہیں کون سمجھائے بہن؟ (قدرے توقف کے بعد) میں کہتی ہوں۔ ابھی وقت ہے۔ سلطان کا خیال دل سے مٹا دینے کا۔ انہیں ہمیشہ کے لئے بھول جانے کا۔

گھر بانو:۔ (خفا ہو کر) میں ترک محبت کی باتیں سننا نہیں چاہتی۔

راضیہ بانو:۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔ مَیں سمجھاتی ہوں۔
گہربانو:۔ اُسی طرح غصّے سے) مَیں سمجھنا نہیں چاہتی۔
راضیہ بانو:۔ ابھی نہیں سمجھتیں نہ سمجھو۔ جب جان پر بنے گی پچھتاؤ گی
گہربانو:۔ محبت میں جان دے کر پچھتانا نہیں ہوتا۔
راضیہ بانو:۔ (کھڑی ہو کر سنبھلی چلی ہیں۔ کہیں بات کا تبنگڑ نہ بن جائے
گہربانو:۔ (بگڑ کر) جاؤ نہ۔ روکتا کون ہے تمہیں؟ آئیں تھیں آگ بجھانے یا آگ میں اور آگ لگانے۔

(راضیہ بانو چلی جاتی ہے۔ رات زیادہ جا چکی ہے۔ گہربانو بھی آنکھوں میں آنسو لئے بستر اندوہ پر لیٹ جاتی ہے۔ اور چادر اوڑھ لیتی ہے۔ لیکن بیمارِ فرقت کے حصہ میں نیند کہاں کروٹیں بدلتی رہتی ہے۔ آخر منہ کھول دیتی ہے۔ اور سلطان مرزا کی خیالی تصویر سے باتیں کرنے لگتی ہے)
گہربانو:۔ (پُر درد لہجہ میں) سلطان۔ پیارے سلطان۔ میرے سلطان۔ میرے اپنے سلطان۔ اے میری خوشبوؤں کی انجمن کس ایوان میں ہے تو؟ اے میرے آرزوؤں کے چمن کس جہان میں ہے تو؟ جا۔ دل کے پتنگے جا۔ شمع کے کھوج لا۔ اُڑ محبت کے چکور اُڑ۔ چاند کو ڈھونڈ لا۔ وصل کے خردے دل کی جان بن کر آ۔ میری عمر بھر کی خوشی سلطان بن کر آ۔ آؤ سلطان آؤ۔ مجھے اس بے بسی کی قید سے نکالو۔ پھر۔ پھر کیا ہو؟ پھر اُس چمن میں لے چلو جہاں تم ہو اور مَیں ہوں۔ مَیں ہوں۔ اور تم ہو۔ آسمان کا ہم پر سایہ ہو۔ زمین ہمارا بستر ہو۔ پرندے پیڑوں پر محبت کا راگ گائیں۔ ہم کو ہماری ہی دکھ بھری کہانی سنائیں۔ اپنا پرانا درد دکھ سن سن کر ہم گھبرا جائیں اور گھبرا کر ایک دوسرے سے

لپٹ جائیں ۔ پھر جب غنچۂ بلبل کو دیکھ دیکھ کر مسکرائے ۔ تو گھر بانو بھی سلطان کو دیکھ دیکھ کر کھکھلائے ۔ شاخیں ہم پر پھول برسائیں ۔ اور اتنے برسائیں ۔ کہ ہماری ہستیاں انہیں پھولوں کی بھول بھلیاں میں گم ہو جائیں ۔

(خاموشی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیتی ہے ۔ پھر آپ ہی آپ اٹھ بیٹھتی ہے اور بیٹھے ہی بیٹھے گانے لگتی ہے)

گانا

چمن ہنسا اور بلبل چہکے — پھرے خوشی میں بہکے
نین دو رہ رہ کے ناچے بھونرے — پھول کھلے اور مہکے
چمن ہنسا اور بلبل چہکے — پھرے خوشی میں بہکے
جھولتی شاخیں دیکھ کے پنچھی — پیا ملن کو بہکے
چمن ہنسا اور بلبل چہکے — پھرے خوشی میں بہکے
آنسو برہا رین نہ جیتے — من انگارے دہکے
چمن ہنسا اور بلبل چہکے — پھرے خوشی میں بہکے

(گانا ختم ہوتا ہے ۔ گھر بانو اسی طرح سکوت کے عالم میں بیٹھی رہ جاتی ہے)

پردہ

باب دوئم
منظر ششم

کلکتہ میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ

بنگلے کا عالیشان ہال رنگ برنگ کے گھریلو ساز و سامان سے آراستہ پیراستہ ہے۔ نفیس نفیس قالینیں بچھی ہوئی ہیں۔ کوچیں مناسب جگہوں پر پڑی ہیں۔ میزیں قاعدے سے لگی ہیں۔ اُن پر سرخ و سبز میز پوش بچھے ہوئے ہیں۔ ایک جانب ٹیلیفون اور ایک طرف ایک بڑی سے گھڑی لگی ہے۔ بجلی پنکھے کھلے ہوئے ہیں۔ خوش وضع الماریاں سفید دیواروں سے لگی کھڑی ہیں۔ المختصر یہ شاندار جنت نشان ہال زیب و زینت اور آرائش و پیراستگی میں اپنی آپ مثال ہے۔ گھر بانو کی شادی مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کے ساتھ ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ آج گھر کے کام کاج میں مصروف نظر آتی ہے۔ لیکن اُس کے نرم و نازک چہرے پر بشاشت و فرحت گم ہیں۔ آنسو ہیں کہ افشائے راز کی قسم کھا چکے ہیں۔ اور آنکھوں میں اُمنڈ آتے ہیں۔ مگر شرم و حیا کی دیوی اُنہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں پی جاتی ہے۔ سامنے ہی ایک کوچ پر بیٹھے ہوئے مرزا قاسم بیگ نہایت اطمینان اور خوشدلی سے پائپ پی رہے ہیں۔ گھر بانو قریب ہی ایک کوچ پر بیٹھی ہے۔ اور عاشقِ مہجور کے خیال میں سرتاسر ڈوبی ہوئی ہے مرزا قاسم بیگ کی نظر اس غیرتِ عروسِ شبِ اولیں پر پڑتی ہے یا ہوش

بیوی کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اور پاس آ کر ایک دوسری کوچ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ گھر بانو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں)

مرزا قاسم بیگ:۔ (محبت کے لہجہ میں) ہر وقت اُداس اُداس کھوئی کھوئی سی کیوں رہتی ہو پیاری بیگم؟

گھر بانو:۔ (مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ) نہیں تو۔ ایسا خیال نہ کریں آپ (ہنسی کا منہ بنا کر) یہ دیکھیئے ہنس نہیں رہی ہوں میں؟

مرزا قاسم بیگ۔ صرف اسی وقت نا اور وہ بھی میرے ٹوکنے پر۔

گھر بانو:۔ (مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ) سمجھتے نہیں؟ اگر آپ کا ایسا لائق اور چاہنے والا شوہر پا کر خوش نہ رہوں میں تو مجھ سے زیادہ بھی بیوقوف ہو سکتی ہے کوئی عورت؟ اپنی قسمت پہ ناز کرنا چاہیئے مجھے تو۔ پھر کیسا رنجیدہ ہونا؟

مرزا قاسم بیگ:۔ (مسکرا کر لطیف کے لہجہ میں) اور مجھے بھی ناز کرنا چاہیئے کہ ایسی اچھی شریک زندگی ہاتھ آئی (توقف کے بعد پیار کے لہجے میں) سنا میری جان آج شام کو میں نے چند احباب کو چائے کی دعوت دی ہے

گھر بانو:۔ یہ جان کر بہت خوش ہوئی میں۔

مرزا قاسم بیگ:۔ (ازراہِ محبت سے ٹھوڑی میں ہاتھ لگاتے ہوئے) تو پھر آپ ہی کریں گی سب انتظام۔

گھر بانو:۔ (شرم سے آنکھیں نیچی کیے ہوئے) میں نہیں تو کون؟ باہر والا کوئی؟ (گھڑی میں دس کی گھنٹیاں بجنا شروع ہوتی ہیں)

گھر بانو:۔ (چونک کر) آج کچہری نہیں جائیں گے آپ؟

مرزا قاسم بیگ:۔ جانتی نہیں پیاری بیگم۔ نیا بیرسٹر ٹھہرا۔ ٹرننگ ہو

رہی ہے ابھی تو۔ اس لئے بکھری جاؤں تو کیا نہ جاؤں تو کیا؟

گہر بانو:۔ خوشی آپ کی۔

(مرزا قاسم بیگ اپنی خواب گاہ میں چلے جاتے ہیں۔ اور ناول دیکھتے دیکھتے سو جاتے ہیں۔ گہر بانو تجسس کی نگاہوں سے اِدھر اُدھر تکنے لگتی ہے۔ اتنے میں اُس کی خادمہ نورتن بوا سامنے آتی ہے)

گہر بانو:۔ (نورتن بوا کو دیکھ کر) نورتن بوا۔

نورتن بوا:۔ (جلدی سے قریب آکر) جی بیگم صاحب۔ ارشاد

گہر بانو:۔ سنا آج شام کی چائے پر دوستوں کو بلایا ہے صاحب نے

نورتن بوا:۔ سمجھی بیگم صاحب

گہر بانو:۔ سمجھی ہی نہیں۔ کیا کرنا ہوگا تمہیں یہ بھی جانتی ہو؟

نورتن بوا:۔ (ادب کے لہجہ میں) جو حکم دیں گی بیگم صاحب

گہر بانو:۔ کیا کہا، حکم دیں گی! کیا ضرورت ہے حکم کی اس میں۔ ارے بھئی کون کرے گا آخر انتظام چائے وائے کا۔ تمہیں تو کرو گی (قدرے توقف کے بعد) دیکھو سب ٹھیک رہے انتظام۔ سن لیا۔

نورتن بوا:۔ جی بیگم صاحب (جانے لگتی ہے)

گہر بانو:۔ ہاں ایک بات تو رہ گئی۔ دیکھو باہر کالے خاں ہوں۔ تو اُنہیں بھی بھیج دو۔

(نورتن بوا باہر جاتی ہے اور کالے خاں کو بھیجتی ہے۔

نورتن بوا:۔ (کالے خاں سے) کالے خاں بیگم صاحب بلا رہی ہیں تمہیں

کالے خاں:۔ (چونک کر) بیگم صاحب

نورتن بوا:۔ ہاں۔ ہاں۔ بیگم صاحب

(کالے خاں سامنے آکر خاموش کھڑا ہو جاتا ہے)

گھر بانو:- کالے خاں کیوں بلایا ہے تمہیں میں نے جانتے ہو؟

کالے خاں:- جی نہیں بیگم صاحب

گھر بانو:- دوستوں کو شام کی چائے پر بلایا ہے صاحب نے۔

کالے خاں:- جی۔

گھر بانو:- ہاں تو کیوں بلایا ہے تمہیں میں نے؟ (قدرے توقف کے بعد) اس لئے کہ سمجھا دوں تمہیں کام۔ دیکھو۔ سب انتظام ٹھیک رہے کرسیاں میز قاعدے سے لگا دینا۔ کوتاہی نہ ہو۔ سمجھ گئے نہ؟

کالے خاں:- جی بیگم صاحب سمجھ گیا۔

گھر بانو:- جاؤ اب۔

(کالے خاں باہر چلا جاتا ہے۔ گھر بانو اپنے کمرے میں پئے استراحت چلی جاتی ہے۔ لیکن چین کہاں آرام کہاں وہ تو اُسے خیرباد کہہ چکے ہیں۔ عیش و عشرت کی میٹھی نیند محبت کی الجھنوں کی نذر ہو چکی ہے خواب نوشین کے مزے سلطان مرزا کے ساتھ گئے۔ مسہری پر پڑے پڑے کروٹیں لینا جزو نصیب بن گیا ہے۔ آخر گھڑی تین بجاتی ہے گھر بانو گھبرا کر اُٹھ بیٹھتی ہے۔ اور شام کی دعوت کے لوازمات کی تنظیم و تنسیق میں نہایت سرگرمی سے مصروف ہو جاتی ہے۔ آخر پانچ بجتے ہیں مرزا قاسم بیگ بیدار ہوتے ہیں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر باہر والے کمرے میں جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ سب احباب ایک ایک کرکے آجاتے ہیں۔ چائے کا دور چلتا ہے۔ پھر سگریٹ اور پائپ بازی کے ساتھ ساتھ خوش گپیاں ہوتی ہیں۔ آخر احباب رخصت کے لئے تیار۔

ہوتے ہیں۔ اب یک لخت شام ہو جاتی ہے۔ کمروں میں برقی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں۔ مرزا قاسم بیگ تھوڑی دیر کے لئے اندر آتے ہیں۔ اور اپنی پیاری بیوی کے پہلو سے نازیں بیٹھ کر اس کے حسن انتظام کی داد دینا شروع کرتے ہیں۔)

مرزا قاسم بیگ :۔ (مسکرا کر اور تعریف کے لہجہ میں) واہ۔ واہ میری بے نظیر بیوی۔ کیا کہنا ہے آپ کے انتظام کا۔

گھر بانو :۔ (مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ) میں کیا اور میرا انتظام کیا (قدرے توقف کے بعد) مگر کالے خاں اور نورتن بوا کی کارگذاریوں کی داد دینا تو بھول ہی گئے آپ؟

مرزا قاسم بیگ :۔ (ہنس کر) ہاں جی۔ سچ مچ بھول ہو گئی (قدرے توقف کے بعد) کہو نہ کیسی انوکھی بھول۔

(غمزدہ گھر بانو بھی مصلحتاً اور اپنے شوہر کو خوش رکھنے کے لئے یا دلِ ناخواستہ اُس کی ہنسی میں حصہ لیتی ہے۔ آخر دونوں خاموش ہو جاتے ہیں)

مرزا قاسم بیگ (اُٹھ کر جاتے ہوئے اور خاموشی کو توڑ کر رسمی مسکراہٹ کے ساتھ) دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں کچھ دیر کے لئے پیاری بیگم اجازت ہے نہ۔

گھر بانو :۔ (مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ) بس چل دیئے۔ محفل برخاست (قدرے توقف کے بعد) اچھا خدا حافظ

مرزا قاسم بیگ :۔ خدا حافظ (باہر چلے جاتے ہیں۔ جہاں احباب اُن کا انتظار کر رہے ہیں)

(مرزا قاسم بیگ کے احباب کے ساتھ چلے جانے کے بعد دلگیر گھر بانو پر عالم

سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ آخر چونکتی ہے۔ اور اُٹھ کر حالتِ اضطراب میں کمرے ہی کے اندر ٹہلنے لگتی ہے۔ ٹہلتے ٹہلتے عالمِ خیال میں عاشقِ جانباز سلطان مرزا سے یوں مخاطب ہوتی ہے)

گھر بانو:۔ (درد آمیز لہجے میں) میرے حسین خواب۔ سلطان کہاں ہو تم؟ دل سے نزدیک آنکھوں سے دُور۔ محبّت کے ہاتھوں مجبور کس دشت کس بیابان میں ہو تم؟ یاد کر رہی ہے تمہیں تمہاری گھر۔ آؤ اور نکالو اُسے بے لبسی کی قید سے۔ تاکہ ٹوٹ جائیں قفس کی تیلیاں اور جا بیٹھے بلبل گلاب کی ٹہنی پر۔ (کچھ سکوت کے بعد نغمۂ غم آگیں چھیڑ دیتی ہے)

گانا

بھائے نہ موہے کوک کوئلیا کو کو نہ کر
اُٹھے ہے من ما ہوک کوئلیا کو کو نہ کر

آئے نہ موہے چین برہا کے مارے نین
کاٹے کٹے نا رین کوئلیا کو کو نہ کر

جنتی سجن کا جو دیس دیتی ملن کا سندیس
لاگے کہجوا ما ٹھیس کوئلیا کو کو نہ کر

(گانا ختم ہوتا ہے اور دقت نصیب گھر بانو عالمِ حزن و ملال میں آ کر اپنی مسہری پر قالب بے جان کی طرح دراز ہو جاتی ہے۔ اتنے میں نورتن بوا باہر سے آتی ہے)

گھر بانو:۔ (نورتن بوا کو دیکھ کر) نورتن بوا ذرا یہاں آنا۔

نورتن بوا:۔ (فوراً قریب آ کر) جی بیگم صاحب ارشاد

گھر بانو:۔ دیکھو۔ تھوڑی سی سنکھیا لا دینا بازار سے دوا کے لئے۔

(ایک روپیہ نورتن بوا کو دیتی ہے)

نورتن بوا:۔ بہت اچھا بیگم صاحب (روپیہ لے کر چلی جاتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد سنکھیا کی شکل کی ایک بے ہوشی کی دوا بازار سے لے آتی ہے۔)

نورتن لو! (دوا دیتے ہوئے) لیجیے بیگم صاحب (چلی جاتی ہے)

(گوہر بانو اُٹھتی ہے اور بے ہوشی کی دوا کو سنکھیا سمجھ کر اپنے بکس میں چھپا کر رکھ دیتی ہے۔ پھر واپس آکر اسی طرح عالم اضطراب میں اپنی مسہری پر دراز ہو جاتی ہے)۔

پردہ

باب سوئم

(موت)

باب سوئم

منظر اوّل

مرزا عثمان بیگ کا مکان۔

(صبح کا وقت ہے۔ مرزا عثمان بیگ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں کملایا ہوا چہرہ حزن و ملال کا داستان سرا ہے۔ صورت حال بتاتی ہے کہ عہد پیری کا ناتواں دل غم کے فلک دوز تیروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اور گرانباری رنج و محن سے بیٹھا جا رہا ہے۔ چھوٹے خاں روبرو کھڑا ہے۔ اُس کی صورت بتاتی ہے۔ کہ وہ بدنصیب باپ کو ایک تازہ ترین بلائے بے درماں کی آمد کی خبر دینے والا ہے۔ سلطان مرزا معدودے چند روز گھر میں قیام کرتا ہے۔ اور پھر باہر نکل جاتا ہے)

مرزا عثمان بیگ:۔ دیکھنا ذرا چھوٹے خاں، سلطان ہے نہ کمرے میں

چھوٹے خاں:۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر بھرائی ہوئی آواز میں) ح.. ..ح حضور ان تک تو بخے چھوٹے میاں صبح سے غائب ہیں۔ نہ جانے کہاں چلے گئے۔

مرزا عثمان بیگ:۔ (گھبرا کر) کیا کہا چھوٹے خاں؟ چلے گئے؟ چلے گئے؟ سلطان چلے گئے؟ بوڑھے باپ کو چھوڑ کر چلے گئے (قدرے توقف کے بعد اور سینہ پر ہاتھ دے مار کے) آہ چرخ کج رفتار تو نے ظلم و ستم کے تیر برسا برسا کر میرے دل و جگر چھلنی کر ڈالے اور تیرا جی نہ بھرا۔

(قدرے توقف کے بعد) بیٹا سلطان! رحم نہ آیا اس بوڑھے باپ پر۔ اسے میری چین و آرام کی پونجی تجھے کھو کر دنیا میں رہ سکتا ہوں میں۔ سلطان۔ سلطان۔ سلطان (دھڑ سے زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور بے ہوش ہو جاتے ہیں)

(نوکر آقا کا یہ حال دیکھ کر کھو سا جاتا ہے۔ بارے چونکتا ہے اور آقا کو ہزار خرابیوں سے اٹھا کر چارپائی پر لٹاتا ہے۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد مرزا عثمان بیگ کو ہوش آتا ہے۔ پھر اسی طرح سلطان مرزا کو مخاطب کر کے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور بستر بیماری پر طائر پر بستہ کی طرح تڑپتے اور پھڑکتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ:۔ (درد بھری آواز سے) میری جان سلطان کیوں چلے گئے تم؟ تمہیں میرا پاس نہیں۔ ہائے پوس کر جوان نہیں کیا تمہیں میں نے؟ اسی دن کے لئے پالا تھا؟ والدین کا حق بہت بڑا ہے بیٹا۔ نافرمانی والدین کی سخت سزا ہے بیٹا۔ آہ! جسے میں نے بیٹا سمجھ کر پالا تھا۔ وہ آستین کا سانپ نکلا۔ (قدرے سکوت کے بعد) نہیں۔ نہیں۔ یہ کیا کہہ گیا میں۔ اس میں تیری خطا نہیں خطا ہے تو محبت کی ان گھنگھور گھٹاؤں کی جو تیرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہیں۔ اس میں تیرا قصور نہیں۔ قصور ہے تو عشق کی ان بے باکیوں کا جس نے تیرے دل سے سب کچھ بھلا دیا۔ تجھے عقل سے بیگانہ کر دیا۔ دیوانہ کر دیا (کچھ سکوت کے بعد) سلطان آؤ اور جلد آؤ نہیں تو پچھتاؤ گے (عالم بے تابی میں خاموش ہو جاتے ہیں)

چھوٹے خاں: (آب دیدہ ہو کر) صبر کیجئے آقا۔ صبر کیجئے۔ اپنے مہربان آقا کا یہ حال نہیں دیکھا جاتا نمک خوار سے۔ دل سینے میں کروٹیں بدلتا ہے۔ کلیجہ

مُنہ کو آتا ہے (قدرے توقف کے بعد) گھبرائیں نہ آپ جس طرح بھی ممکن ہو گا غلام چھوٹے میاں کو حاضر کرے گا۔ (خاموش ہو جاتا ہے)

(مرزا عثمان بیگ کی حالت بد سے بدتر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ صرف چند گھنٹوں کے مہمان رہ جاتے ہیں۔ نمک حلال وفادار غلام جو آقا کی تیمارداری کے دوش بدوش سلطان مرزا کی تجسس میں بھی سرگرداں تھا آج اپنی پوری کوشش سے جستجو کرنے جاتا ہے۔ تاکہ باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے آخری دیدار سے محروم نہ رہے۔

پردہ

باب سوم

منظر دوم

ساحلِ دریائے جمنا

(ایک فلک بوس درخت کے سایہ میں سلطان مرزا مغموم اور زار زار بیٹھا ہے۔ اُس کے روبرو اُس کے جاں نثار غمگسار دوست نرہندر بالی دیدۂ گریان دل سے انکشافِ غم والم کر رہے ہیں)

نرہندر بالی (بے ساختگی سے) کیا تم ہی ہو سلطان۔ کیا ہو گئے۔ تمہارے اس حال پر بال بال روتا ہے میرا۔

سلطان مرزا:- (دم سرد بھر کر) سچ سچ نرہندر بالی۔ میں کچھ سے کچھ۔ کیا

سے کیا ہو گیا۔ (قدرے توقف کے بعد) یہ بھی کھیل ہیں قسمت کے۔ کسی کی چیت پڑی بازی کسی کی پٹ۔

نریندر بابو:۔ ہاں قسمت کے کھیل تو ہیں ہی (قدرے توقف کے بعد) دیکھو نہ سلطان۔ دو پھول ساتھ ساتھ کھلتے ہیں۔ ایک گوندھا جاتا ہے دولہا کے ہار میں ایک چڑھایا جاتا ہے مردے کی تربت پر۔ دو موتی ایک ہی کان سے نکلتے ہیں۔ ایک جڑا جاتا ہے بادشاہ کے تاج میں ایک پیسا جاتا ہے کھرل میں اسی طرح دو پکھرو ہیں۔ کہ پہلے بسیرا لیتے ہیں ایک ہی پیڑ پر۔ پھر ایک لیتا ہے آزادی کی سانس۔ ایک کا دم گھٹتا ہے صیاد کے پنجرے میں (قدرے توقف کے بعد) لیکن تمہارا یہ حال کب تک رہے گا سلطان

سلطان مرزا:۔ (ناکامی کے لہجہ میں) یہ تو قسمت ہی سے پوچھئے۔

نریندر بابو:۔ (حیرت سے) قسمت سے پوچھوں؟ تو کیا آدمی قسمت سے نہیں لڑ سکتا۔

سلطان مرزا:۔ (حیرت سے) قسمت سے! وہ کیسے؟

نریندر بابو:۔ وہ! ایسے کہ تم بھول جاؤ گھر بانو کو۔ خرید لو جنس سکون گھر بانو کی فراموشئ خیال سے۔

سلطان مرزا:۔ (بے تاب ہو کر) بھول جاؤں۔ ایسا ہو سکتا ہے نریندر بابو؟

نریندر بابو:۔ (پرجوش لہجہ میں) آدمی کرنے پر آئے تو کیا نہیں ہو سکتا سلطان!

سلطان مرزا:۔ تو یہ کام تم ہی کر دو نہ میرے دوست

نریندر بابو:۔ طبیب علاج کر سکتا ہے۔ بیمار کو موت کے منہ سے نہیں چھڑا سکتا۔

سلطان مرزا :- تو پھر علاج کریئے نہ -

نریندر بابو :- علاج ہی کر رہا ہوں -

سلطان مرزا :- لیکن دوائی کوئی نہیں دی -

نریندر بابو :- تم پاگل ہوئے ہو سلطان - میں کہتا ہوں بھول جاؤ گھر بانو کو - یہ دوا نہیں تو کیا ہے ؟

سلطان مرزا :- یہ زہر ہے -

نریندر بابو :- کڑوی ہے نہ - زہر ہی معلوم ہوتی ہو گی - (قدرے توقف کے بعد) لیکن شفا کی امید رکھنے والا بیمار زہر پی کر شیر و شکر کا مزہ لیتا ہے - جتنی ہی کڑوی - اتنی ہی شفا بخش -

سلطان مرزا :- لیکن اترتی نہیں حلق سے -

نریندر بابو :- پینے والے پی ہی جاتے ہیں آنکھ موند کر -

سلطان مرزا :- نریندر بابو - تو کیا اس محبت کے بازار میں مجھے شربت وصل نہیں مل سکتا -

نریندر بابو :- (دم سرد بھر کر) میرے دوست نہیں -

سلطان مرزا :- (بیقرار ہو کر) نہیں - نریندر بابو نہیں - کیوں ؟

نریندر بابو :- اس لئے کہ تم صرف چراغ ہو ظلمت خانۂ مفلس کا - اور گھر بانو شمع کافوری ہے کاشانۂ دولتمند کی (قدرے توقف کے بعد) پس ایسی نازنین کے وصال کی امید ایک امید موہوم اور اس کا سودا محض دردسری دردسری ہے -

سلطان مرزا :- (بہت بیقرار ہو کر) کیا کہا نریندر بابو ؟ گھر بانو نوح لی جائیں گی سلطان کی تمناؤں کی گود سے ؟ سلطان محروم ہو جائیں گے

جنت کے آغوش سے ؟

نریندر بابو:۔ (آہ سرد بھر کر) کون جانے؟ (قدرے توقف کے بعد) کیا بھول گئے چچی جان کی خفگی اپنے پیغام پر ؟

سلطان مرزا:۔ (اُسی عالم بیقراری میں) یاد ہے نریندر بابو۔ یاد ہے دماغ میں ہیجان پیدا کر رہی ہے رگوں میں دوڑ رہی ہے کانوں میں گونج رہی ہے۔ آنکھوں میں رو رہی ہے۔ (قدرے توقف کے بعد) لیکن اس کا سبب ؟

نریندر بابو:۔ سبب! وہی دولت و ثروت۔ وہی شان و شوکت

سلطان مرزا:۔ (آہ سرد بھر کر) آہ دولت۔ ظالم دولت۔ مٹی خراب ہو اس دولت کی۔ اس میں شان ہے رقابت کی (قدرے توقف کے بعد) لیکن گہر بانو جو مجھے چاہتی ہیں ؟

نریندر بابو:۔ مانتا ہوں (ٹھنڈی سانس لے کر) لیکن ......

سلطان مرزا:۔ (مبہوت ہو کر) لیکن کیا ؟

نریندر بابو:۔ یہی کہ مرضی والدین کے سامنے ایک بے بس اور مجبور لڑکی کی محبت کیا۔ اور اُس کی مرضی کیا ؟

(چھوٹے خاں جس کا بخت آج راہ طلب میں سکندر ہے۔ سراسیمہ و سرگشتہ حزن و ملال کی دنیا آنکھوں میں لئے آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سلطان مرزا اور نریندر بابو دونوں کی نظریں اُس پر پڑتی ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور حیرت و استعجاب کے عالم میں ٹکٹکی باندھ کر اُس کو دیکھنے لگتے ہیں)

چھوٹے خاں:۔ (دوڑ رہا ہے) ح... ح... حضور سلطان مرزا کی جانب بے تحاشا دوڑتا ہے۔ سلطان مرزا اور نریندر بابو دونوں کے طاق

تارے لگ جاتے ہیں)

سلطان مرزا:- کیا ہوا چھوٹے خاں؟

چھوٹے خاں:- (رو کر) آپ کے دفعتہً آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کی حالت غیر ہو گئی۔ اور اب صرف گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں۔

نریندر بابو:- کون؟ مرزا صاحب؟

چھوٹے خاں:- جی ہاں

سلطان مرزا:- (بیتاب ہو کر) کیا کہا؟ گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں۔ ابا جان (قدرے توقف کے بعد) تم سچ کہتے ہو چھوٹے خاں؟

چھوٹے خاں:- (رو کر) غلام کبھی جھوٹ کہہ سکتا ہے حضور۔

سلطان مرزا:- (رقت پذیر آواز میں) ابا جان - ابا جان - ابا جان (دھڑ سے زمین پر گر پڑتا ہے۔

(چھوٹے خاں اور نریندر بابو سلطان مرزا کو اٹھاتے ہیں)

چھوٹے خاں:- (رو کے لہجہ میں) حضور یہ وقت رونے کا نہیں۔ صبر سے کام لینے کا ہے۔ جلدی کیجئے زیادہ دیر کی تو محروم ہو جائیں گے مہربان باپ کے آخری دیدار سے بھی۔

سلطان مرزا:- (روتے ہوئے) آہ - ابا جان آپ نے بڑا دکھ اٹھایا میری وجہ سے۔ آخر میں ہی سبب بن گیا آپ کی اس نازک حالت کا۔ لیکن میں کرتا کیا؟ میرے دل و دماغ میرے بس میں نہ تھے۔

(آگے آگے سلطان مرزا۔ پیچھے پیچھے چھوٹے خاں اور نریندر بابو ایک اپنے والد شفیقہ باپ کے حال پر گریاں اور خاک بسر دوسرا مہربان آقا

کی اذیت پر نوحہ گر اور تیسرا باپ بیٹے دونوں کے حال پر ماتم کناں چلے جاتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں تینوں منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ سلطان مرزا دوڑ کر باپ سے لپٹ جاتا ہے۔ مرزا عثمان بیگ پھٹ سے آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ آخری وقت بیٹے کو دیکھ کر کچھ عجیب کیفیت ہوتی ہے موت کے بیدرد ہاتھ اپنے منصوبے کی تکمیل میں برق رفتاری دکھاتے ہیں۔ ناتوانی کے سبب تاب گویائی نہیں۔ بڑی دشواریوں سے دو چار جملے زبان پر آتے ہیں)

مرزا عثمان بیگ :۔ (دھیمی اور رک رک کر نکلنے والی آواز میں) میرا آخری وقت ہے سلطان! اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں عمر بھر کے لئے۔ میری آخری دعا ہے۔ کہ خدا تمہاری حالت سدھار دے ورنہ مرنے کے بعد بھی اس ناکام نامراد باپ کی پیٹھ نہ لگے گی قبر میں۔ میرے بیٹے۔ میرے بچے خدا حافظ (توقف کے بعد) اُف۔ اُف۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ (دم نکل جاتا ہے)

(مرزا عثمان بیگ کا چراغ زندگی صرصر فنا کے ایک ہولناک جھونکے سے ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا ہے۔ باپ کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ کر سلطان مرزا دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا ہے۔ وفادار غلام بھی سر بالیں کھڑا اشک غم سے آستین و دامن تر کر رہا ہے۔ اور رشید رباب بھی بار بار رومال سے آنسو پونچھ رہے ہیں۔

پردہ

باب سوئم
منظر سوئم

ساحل دریائے جمنا۔

(شام کا وقت ہے۔ عنقریب مرجھا جانے والے گل خورشید کا اُترا ہوا چہرہ آئینہ آب میں عکس فگن ہے۔ شفیق باپ کی وفات کے بعد حرماں نصیب سلطان مرزا دو چار روز غم لامتناہی میں بزم ماتم سجا کر سرکار عشق سے بار دیگر پیغام سلسلہ جنبانی پا کر غم واندوہ در دِل آہ بر لب ریگ ساحل دریا پر بیٹھا ہے۔ پاس ہی دھوبی کا گھاٹ ہے۔ ایک نوجوان دھوبی اور اُس کی نوجوان نازآفرین دھوبن پاس ہی پاس گا گا کر کپڑے دھو رہے ہیں)

گانا

دھوبی اور دھوبن۔ دھوئے رام دھوئے گائے رام گائے۔
دھوئے رام دھوئے گائے رام گائے
دھوبی۔ ڈولے جینوا جھولے جو نیا دھبیلکے سنگ سنگ دھوئے دھبیا
دھوبی اور دھوبن۔ دھوئے رام دھوئے گائے رام گائے
دھوئے رام دھوئے گائے رام گائے۔
دھوبن بھاری جونوا کابل جیٹ کھوئے دھبیا دھبیلکے سنگ سنگ دھوئے دھو
دھوبی اور دھوبن۔ دھوئے رام دھوئے گائے رام گائے۔

دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوبی ۔ اوڑھنی بھی دھوئے لہنگا بھی دھوئے — کرتی بھی دھوئے انگیا بھی دھوئے

دھوبی اور دھوبن ۔ دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوبن ۔ بنڈی بھی دھوئے لنگیا بھی دھوئے — کرتا بھی دھوئے پگڑیا بھی دھوئے

دھوبی اور دھوبن ۔ دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوبی ۔ دھوبی کے مارے نینن کٹریا — چھتین بلا دھوبن سجریا

دھوبی اور دھوبن ۔ دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوبن ۔ آنسون دھبیا موتی پروئے — دھبیا کی رہتیا دیکھے نہ سوئے

دھوبی اور دھوبن ۔ دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

دھوئے رام دھوئے — گائے رام گائے

(گانا ختم ہوتا ہے)

دھوبی :۔ کا ہو دھوبن ۔ بالسٹر صاحب بیہا کرہیں بٹیا کا انام اکرام کا ملا ہم کا تم کا ۔

دھوبن :۔ (اداسی سے) تو ایس ننہیا واکریت ہو ۔ بہت تو دہن اور کاویت (قدرے توقف کے بعد) دھن و دولت دیدیت ایں

دھوبی ۔ کاوہی دھوبن (قدرے توقف کے بعد جبکہ ایکے بٹیا ہوئے ۔ وا اتنا وہس تو کا دہیں

دھوبن :۔ ہاں سب پہکا تہکا دیدیہیں بٹیا کا کچھو نہ دیت

دھوبی :۔ (حیرت کے لہجہ میں) ہہاں سے بہوا ہوت تو چاہے بکس جیادہ ملتے۔

دھوبن :۔ رام جانے ملتے کہ نہ ملتے

دھوبی :۔ (حیرت کے لہجہ میں) کا ہو کاہے کہن کلکتہ سے بہوا؟

دھوبن :۔ کجانے

(اتنا سنتے ہی سلطان مرزا متوحش ہو کر دھوبی کے قریب جاتا ہے دھوبی اور دھوبن حیرت سے اُسے تکنے لگتے ہیں)

سلطان مرزا :۔ (متوحش ہو کر) کیوں دھوبی کون بیرسٹر صاحب؟

دھوبی :۔ سلیمان بالسٹر (قدرے توقف کے بعد) کہے پوچھتے ہیں سرکار؟

سلطان مرزا :۔ (حسرت بھری آواز سے) کچھ نہیں ایسے ہی (چپکے چپکے) ہو گئی۔ گھر بانو کی شادی ہو گئی۔ سلطان کی خانہ بربادی ہو گئی۔

(عاشق نامراد سلطان مرزا سکتے کے عالم میں اُلٹے پاؤں پھرتا ہے اور دریا کے کنارے کنارے سر پر غم و الم لا متناہی کا پہاڑ۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب۔ اور دل میں حسرتوں کا ویرانہ لئے ہوئے قدم بڑھاتا جاتا ہے۔ اور دونوں ہاتھوں سے دل تھامے ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں میں جھلکنے والی محبوبہ کی خیالی تصویر سے باتیں کرتا جاتا ہے)

سلطان مرزا :۔ پیاری گھر تمہیں شادی اور مجھے غم مبارک۔ اے صبر و قرار چھین لینے والی اپنے دلگیر کا کچھ پاس نہ کیا۔ بھول گئیں سلطان کو ہمیشہ کے لئے بھول گئیں (قدرے توقف کے بعد) نہیں نہیں یہ کیا کہہ گیا میں۔ مجھ سے بھی زیادہ مجبور ہو تم (قدرے سکوت کے بعد) کچھ بھی ہو۔ چراغ امید تو بجھ ہی گیا میرا۔ موت کھیل رہی ہے میری ناکام نظروں میں۔ لیکن تمنا

ہے. کہ میری آخری سانس تمہیں شاد و با مراد رہنے کی دُعا دیتی ہوئی نکلے ۔
(سکوت کے بعد) آہ! میرے مرنے کی خبر پاکر کہیں تم بھی نہ جان سے ہاتھ دھو
بیٹھو (سکوت کے عالم میں چلا جاتا ہے)
(نقد جان کے بدلے جنسِ سکوت مول لینے کی امید کچھ غم غلط کرتی ہے
چراغِ امید جو محبوبہ کے جلاء وطن ہونے کے بعد ایک مفلس کے گھر کا چراغ رہ
گیا تھا۔ محبوبہ کی شادی ہو جانے کے بعد گل ہو جاتا ہے ۔ اب اُسے زندگی کے
نام سے چڑھ ہو جاتی ہے ۔ وہ دُنیا سے بیزار ہو جاتا ہے۔ موت سے اُسے پیار
ہو جاتا ہے ۔ زندگی کے باقیماندہ لمحے عالمِ سراسیمگی و وارفتگی میں بسر ہوتے
ہیں ۔ آخر چلتے چلتے قریب ہی پانی میں اُسے ایک پتھر دکھائی دیتا ہے ۔
جس کے نصف حصّہ پر آبِ دریا حکمرانی کر رہا ہے اور نصف حصہ ماہِ چہاردہ
کے زیرِ نگیں ہے جس پر وہ اپنی ہلکی ہلکی سنہری روپہلی کرنوں سے پرچم کا کام
لے رہا ہے۔ سلطان مرزا اس پتھر پر بیٹھ جاتا ہے ۔ متوحش اور اداسی چہرہ
کسی پریشان کُن خیال کا مفسّر ہے ۔ آخر اسی حال میں گانے لگتا ہے)

گانا

ہو رکھ پگلا بن کے لگن میں
بیتے جیون دیپ برن میں
ڈھونڈھے سندر نکھرا جل میں
بیتے جیون دیپ برن میں
بے بس پریمی پریم کے بس میں
بیتے جیون دیپ برن میں

دھول اڑاؤں بیٹھ پریم کے بن میں
برہا کی آگ لگی مورے من میں
پائے نہ درشن نین کنول میں
برہا کی آگ لگی مورے من میں
پریم ہی پریم لیے نس نس میں
برہا کی آگ لگی مورے من میں

دگانا ختم ہوتا ہے۔ عاشق زار و حزیں اُٹھتا ہے۔ اور پھر اُسی طرح ساحل دریا پہ چلنے لگتا ہے۔ آخر وہاں پہنچتا ہے۔ جہاں بہت سی کشتیاں ساحل سے لگی کھڑی ہیں۔ اور وہاں پہنچتے ہی دفعتہً ہا ہا۔ ہُو ہُو کی آواز سے پردۂ گوش جھن جھنانے لگتا ہے۔ کان اُس پُراسرار آواز کے مرید ہو جاتے ہیں۔ یہ آواز برابر تیز ہوتی جاتی ہے۔ بات کی بات میں کچھ لوگ ساحل کی طرف قدم اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ آنے والے رفتہ رفتہ قریب آجاتے ہیں اور معمہ حل ہو جاتا ہے۔ کہ یہ سب سلطان مرزا کے وہی دوست و احباب ہیں جنہیں ناظرین ڈرامہ کے آغاز میں دیکھ چکے ہیں۔ آج بہروپیوں کے لباس میں نہیں ہیں۔ سب ہنستے شور مچاتے قہقہہ لگاتے ساحل پہ آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سلطان مرزا دوستوں کو دیکھتے ہی اپنے آپ کو سنبھالتا ہے اور اپنی ہیئت کذائی کو یہ موقع نہیں دیتا۔ کہ وہ اُس کے رازِ سربستۂ محبت کو طشت از بام کر کے اُس کی محبوبہ کو رسوا کرے۔ آخر ایک دوست کی نظر سلطان مرزا پر جا پڑتی ہے)

ایک دوست۔ ہلّو!

(اس ہلّو کی آواز کے ساتھ ساتھ سب دوستوں کی نگاہیں سلطان مرزا کی طرف دوڑتی ہیں)

سب دوست:۔ ہلّو۔ ہلّو۔ ہلّو۔ ہلّو۔ ہلّو

سلطان مرزا:۔ (مصنوعی بشاشت سے) ہلّو۔ ہلّو!

دوسرا دوست:۔ (منہ بنا کر) اجی حضرت۔ درشن ہی نہیں ہوتے آپ کے تو (قدرے توقف کے بعد) عید کا چاند ہو گئے عید کا چاند۔

تیسرا دوست:۔ ہوں۔ درشن! (قدرے توقف کے بعد) جی کوچہ

گردوں ہرجائیوں کے درشن ہوتے ہیں کہیں۔

(عاشقِ اندوہ ورد دل مصنوعی طور پر ہنسنے کے سوال سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیتا)

چوتھا دوست:۔(گاکر) علی الصباح چوں ہردم بہ کار و بار روند
بلاکشانِ محبت بہ کوئے یار روند

(سب دوست سر ہلا ہلا کر اس شعر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور سلطان مرزا بھی بناوٹی ہنسی ہنستا رہتا ہے)

پانچواں دوست:۔ (منہ بنا کر) اجی قبلہ! یہ پہلی شام۔ یہ جمنا کا کنارا یہ تنہائی (قدرے توقف کے بعد) وعدے وعید ہوئے ہیں۔ وعدے وعید۔

سلطان مرزا:۔ (مصنوعی مسکراہٹ سے) ہٹو بھی

چھٹا دوست:۔ کوئی دریائی ہوگی دریائی۔ کہا ہوگا جس نے (گاکر) ملیں گے جمنا تیر بالم ملیں گے جمنا تیر۔

(اس پر سب مل کر بڑی زور زور سے قہقہہ لگاتے ہیں۔)

پہلا دوست۔ بوٹ ٹرپ کی ٹھہری ہے آج۔ دوست سلطان۔ (قدرے توقف کے بعد) لیکن خوب ملے تم بھی۔ چلو نہ

سلطان مرزا:۔ خوب۔ چلو۔

دوسرا دوست:۔ (ایک ملاح کی طرف دیکھ کر) ملاح

ملاح:۔ (جلدی سے) حجور

تیسرا دوست:۔ کشتی چاہیئے کشتی (قدرے توقف کے بعد) گھومنا ہے گھومنا۔

ملاح:۔ تو سوار ہو جائیں وہ ہے ناؤ حجور (اشارہ کرتے ہوئے)

(سب دوست اور اُن کے ہمراہ سلطان مرزا بھی چشم زدن میں کشتی پر نظر آتے ہیں)

چوتھا دوست:- بوٹ ٹرپ اور سونی سانی

سب دوست:- ہاں بھئی گانے کی رہے

پانچواں دوست:- اور گائے کون؟

سلطان مرزا۔ تم

چھٹا دوست:- اور تم نہیں (قدرے توقف کے بعد) کوئل تم پپیہا تم۔ پھر گائے کون؟

سلطان مرزا:- یہ بھی کہہ دو نہ۔ تان سین کے بھتیجے تم۔

سب دوست:- بندہ پرور کام نہ چلے گا اس سے شروع کیجئے شروع

سلطان مرزا:- نہیں چھوٹنے کا پنڈ یاروں سے (قدرے توقف کے بعد) خیر تو گانا یوں سنو۔

(سلطان مرزا گانا شروع کرتا ہے۔ اور سب دوست داد کا پل باندھنے لگتے ہیں)

گانا

دُکھ کا ساگر رین اندھریا پار لگاؤ پار لگیا
آؤ کھیون ہار کنھیا ڈگمگ ڈگمگ ڈولے نیّا
روٹھے تینا سنگ نہ ساتھی کالی رینا دیا نہ باتی
آؤ کھیون ہار کنھیا ڈگمگ ڈگمگ ڈولے نیا
پریم بھری ہے آشا تمھری پیارے بسیا من نگری
آؤ کھیون ہار کنھیا ڈگمگ ڈگمگ ڈولے نیا

چھوڑ کے بسرن ہار ڈگر میں ڈوبت ہے اب ناؤ بھنور میں
آؤ کھیون ہار کنھیا ڈگمگ ڈگمگ ڈولے نیّا

(سلطان مرزا آنکھوں میں آنسو اور دل میں ضبط کی ڈگمگاتی دنیا لئے گاتا رہتا ہے۔ اور بار بار دل کو ہاتھوں سے تھام لیتا ہے۔ گانا ختم ہوتے ہی نامراد عاشق کی کشتیٔ حیات ساحل فنا سے لگ جاتی ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر اُسے محبوبہ کا حسین و معصوم چہرہ آئینۂ آب میں پرتو فگن دکھاتے ہیں)

سلطان مرزا:۔ (بیقرار ہو کر تین بار چیخے) گھر۔ گھر۔ گھر۔ دریا میں کود پڑتا ہے)

(پانی میں گرتے ہی موج فنا اُسے اپنے آغوش محبت میں لے لیتی ہے اور چشم زدن میں ناکام سلطان مرزا کی داستانِ درد و الم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کشتی میں ایک شورِ قیامت بپا ہو جاتا ہے۔ سلطان مرزا کے احباب جوشِ و خروش بھول جاتے ہیں۔ نشۂ بادۂ عیش و مسرت ہرن ہو جاتا ہے۔ ملاح اور تیراکی کے مشاق دو ایک دوست پانی میں کود پڑتے ہیں۔ غوطے مار مار کر دریا کا کونہ کونہ چھان ڈالتے ہیں۔ لیکن نگوں بخت سلطان مرزا کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔)

پردہ

باب سوئم

منظر چہارم

کلکتہ میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ۔

(رات کا ہنگام ہے۔ مرزا قاسم بیگ ہال میں ایک کوچ پر آرام فرما رہے ہیں۔ پاس ہی دوسری کوچ پر گھر بانو بیٹھی ہے۔ مرزا قاسم بیگ پائپ پیتے جاتے ہیں۔ اور اپنی نازش روزگار ماہوش حور تمثال بیوی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے جاتے ہیں۔ گھر بانو بھی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ جو صرف میاں کی دلدہی کے لئے ہے نگاہیں نیچی کئے ہوئے ہر بات کا جواب دیتی جاتی ہے۔ لیکن دل کے آئینہ میں ایک ہی تصویر ہے۔ اور وہ تصویر سلطان مرزا کی ہے)

مرزا قاسم بیگ:۔ (رسمی تبسم کے ساتھ) پیاری بیگم آج تو جی چاہتا ہے کہ سنیما دیکھنے چلیں (قدرے توقف کے بعد) چلو گی نہ؟

گھر بانو:۔ (شرم اور مصنوعی مسکراہٹ سے) چلتی تو لیکن میری آج ...... (رک جاتی ہے)

مرزا قاسم بیگ:۔ (حیرت سے) میری آج کیا؟

گھر بانو:۔ (شرما کر دبی آواز سے) طبیعت اچھی نہیں ہے۔

مرزا قاسم بیگ:۔ (گھبرا کر) نصیب دشمناں خراب کیا ہے؟

گھر بانو:۔ ایسی ہی کچھ (قدرے توقف کے بعد مسکرا کر) گھبرا گئے۔

ادے (قدرے توقف کے بعد) بڑی جلدی گھبرا جاتے ہیں آپ۔

مرزا قاسم بیگ:- نہیں نہیں (قدرے توقف کے بعد) تو پھر آرام کرو نہ۔ میں چلا جاؤں گا اکیلا ہی۔ وعدہ کر چکا ہوں نہ دوستوں سے

گھربانو:- آرام تو پیچھے کروں گی پہلے بھیج تو لوں آپ کو۔

مرزا قاسم بیگ:- (تعریف کے لہجہ میں) او۔ہو (قدرے توقف کے بعد) واہ رے پیاری بیگم۔

(ادھر مرزا قاسم بیگ تبدیلِ لباس کے بعد سینما کی راہ لیتے ہیں۔ اُدھر گھربانو جسے ایک انگریزی اخبار سے ناکام و نامراد سلطان مرزا کی دردناک موت کا علم ہو چکا ہے۔ اور جس سے محفلِ ماتمِ عاشق جاں باز اب سجائی نہیں جاتی اور جس کے قدم راہِ محبت میں آج تک نہیں ڈگمگائے نقدِ دل کے بعد نقدِ جاں نذرِ محبت کرنے کی ٹھان لیتی ہے۔ کوچ ہی پر بیٹھے بیٹھے کچھ سوچنے لگتی ہے۔ غالباً طائرِ جان کو قفسِ عنصری سے آزاد کرنے کی فکر میں ہے۔ گھربانو اپنی آنے والی موت کا پہلے ہی سامان کر چکی ہے۔ چند روز پہلے اُس نے نورتن لوا کی معرفت دوا کے بہانے زہر منگوا کر رکھ لیا ہے۔ لیکن وہ سال خوردہ جہاں دیدہ پیرزن جس کو رفتہ رفتہ شبہ ہو چکا ہے۔ بجائے زہر کے زہر کی صورت کی ایک دوسری صبح تک بیہوش رکھنے والی دوا لا کر دے چکی ہے۔ یہ تازہ واردِ بساطِ ہستی یہ گہوارۂ معصومیت کو فروغ بخشنے والی سادہ دل لڑکی جس نے زہر کبھی دیکھا ہی نہیں اس راز سے کیونکر واقف ہو سکتی ہے۔ تعلیم اور تجربہ میں بڑا فرق ہے۔ گھربانو بستر پر سے ایک شیشے کا گلاس اٹھاتی ہے۔ اور اس میں اُس دوا کو گھولتی ہے۔ جسے وہ زہر سمجھ رہی ہے۔ جب زہر گھل کر تیار ہو جاتا ہے۔ تو

گلاس کو میز پر رکھتی ہے۔ اور گم سم ہو جاتی ہے۔ جسم سے موت کا پسینہ چھوٹنے لگتا ہے۔ سچ ہے رہروانِ راہ عدم کے لئے سب سے کڑی منزل یہی ہے۔ جس کے قریب پہنچتے ہی کڑیل سے کڑیل جوان کی بوٹیاں تھرانے لگتی ہیں۔ آنکھیں پھٹی پھٹی ہیں۔ نظر سے مایوسی ٹپک رہی ہے۔ زہر کے گلاس پر نظر جاتی ہے۔ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سلطان مرزا کی تصویر کو جو سامنے ہی میز پر رکھی ہے۔ مخاطب کر کے باتیں کرنے لگتی ہے)

گوہر بانو:۔ (ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں لئے) پیارے سلطان دم توڑ رہی ہوں میں بھی تم سے موت کی آزاد فضا میں ملنے کے لئے۔ میری اور تمہاری قسمت میں کاتب تقدیر نے یہی لکھا تھا کہ دل پر تا کہاں محبت کا تیر لگے اور زخم ناسور ہو کر موت کا پروانہ بن جائے۔ آہ دو حرماں نصیب نوجوانوں کے عشق کی ابتداء انتہا تک پہنچی۔ فراق کی سختیاں نہیں اُٹھائی جاتیں مجھ سے۔ بے تمہارے زندگی زندگی نہیں موت ہے۔ بے رحم باغبان نے بلبل سے گل کا دامن اور گل سے بلبل کا آغوش چھڑا دیا۔ (کچھ سکوت کے بعد زہر کا گلاس ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ اور گانے لگتی ہے)

گانا

کروں آہ و فغاں کب تک میں خدا میری آہ و فغاں میں اثر ہی نہیں

وہ عدم میں تڑپتے ہیں میرے لئے مرا ان کے چمن میں گذر ہی نہیں

ہو بسر تو ہو کیسے قفس میں کہ ہے اک ایک گھڑی اک ایک برس

تجھے کب سے ہی ہوں قضا میں ترس مرے حال کی تجھ کو خبر ہی نہیں

جو زباں سے تمہارا ہی نام نہ لوں جو اچھلتے کلیجے کو تھام نہ لوں

جو یہ زہر کا ہاتھوں میں جام نہ لوں تو میں نام کی اپنے گھر ہی نہیں

(آخری شعر کے اختتام پر اپنے معصوم خیال کے بموجب زہر کو ایک ہی سانس میں حلق کے نیچے اتار جاتی ہے۔ میخواروں کا سا نشہ بتدریج غالب ہونے لگتا ہے۔ آخر جا کر لبستر اندہ پر لیٹ جاتی ہے)

پردہ

باب سوئم
منظر پنجم

کلکتہ میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ اور دریائے جمنا۔

(ہال میں ایک جانب کوچ پر مرزا قاسم بیگ بیٹھے ہیں۔ اُن کے پاس ہی دوسری کوچ پر گھر بانو جس کے یاس وحرماں کی آخری منزلیں طے ہو رہی ہیں۔ مصنوعی طور پر بشاش بیٹھی ہے۔ مرزا قاسم بیگ ناول پڑھنے میں محو ہیں۔ گھر بانو بھی ایک دوسری ناول ہاتھوں میں کھوئی کھوئی آنکھوں کے سامنے لئے ہوئے ہے۔ گویا اُسے پڑھنے میں محو ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ کالے خاں ڈاک لا کر مرزا قاسم بیگ کے سامنے رکھ دیتا ہے مرزا قاسم بیگ ناول کو میز پر رکھ کر آئی ہوئی ڈاک کا معائنہ کرتے ہیں

فی الفور اُن کی نظر ایک لفافہ پر پڑتی ہے جس کے حاشیہ پر مرزا سلیمان از دہلی لکھا ہوا ہے۔ فوراً چاک کرکے خط نکالتے ہیں اور خاموشی سے پڑھنے لگتے ہیں۔ گہر بانو بھی اپنے ہاتھ والی ناول میز پر رکھ کر خط سننے لگتی ہے)

خط کا مضمون

عزیزم مرزا قاسم بیگ خوش رہو۔

جب سے نورِ چشمی سلمہا کلکتہ گئی ہیں، اُن کی اَمّی جان کا بغیر اُن کے جی ہی نہیں لگتا۔ ہر وقت یاد کرکے رویا کرتی ہیں۔ مجھے بھی گہر بانو کا ہر وقت دھیان رہتا ہے، پس ہماری خوشی اس میں ہے۔ کہ تم چند روز کے لئے نورِ چشمی سلمہا کو دہلی پہنچا جاؤ۔ تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ ایسا ہی کروگے اور ہرگز ہمیں محروم نہ کروگے۔ فقط نورِ چشمی سلمہا کو دُعا

راقم الدعا

مرزا سلیمان

(خط کو پڑھنے کے بعد مرزا قاسم بیگ اُسے گہر بانو کی میز کی جانب بڑھا دیتے ہیں۔ اور گہر بانو بھی اسے اُٹھا کر چپکے چپکے پڑھنے لگتی ہے اور پڑھنے کے بعد پھر میز پر رکھ دیتی ہے۔ سکوت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عاشقِ کشتہ سلطان مرزا کا محبت میں خاک چھانتے چھانتے ہلاک ہو جانا دفعتہً اُسے یاد آ جاتا ہے۔ اسی دوران میں مرزا قاسم بیگ جو دوبارہ ناول پڑھنے لگے تھے۔ اُسے محوِ سکوت دیکھ کر اس طور پر مخاطب ہوتے ہیں)

مرزا قاسم بیگ :- (رسمی مسکراہٹ سے) تیار ہو جاؤ نہ۔
گھربانو :- (مصنوعی رسمی مسکراہٹ سے) اور چلیں گے کب؟
مرزا قاسم بیگ (حیرت سے) چلیں گے کب! (خوب اقذرے توقف کے بعد) اجی کرسمس کے اتنے گنے ہی دن تو ہیں۔
گھربانو :- ہاں جی
مرزا قاسم بیگ :- چوبیس کی شام کو
گھربانو :- ہاں اور کیا
(ایک منٹ تک خاموشی رہتی ہے۔ پھر گھربانو اٹھ کر کسی کام سے چلی جاتی ہے۔ اور مرزا قاسم بیگ حسب سابق ناول پڑھنے میں محو ہو جاتے ہیں)

(۲۴- دسمبر کی شام)

(شام کا ہنگام ہے۔ آفتاب عالمتاب دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد افق مغرب میں آرام کرنے کے لئے بسرعت تمام جا رہا ہے۔ گاڑی کا وقت آ رہا ہے۔ نوکر اور نوکرانیاں سامان سفر تیار کرنے میں برق رفتار ہو رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ گاڑی کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ اور مرزا قاسم بیگ اور گھربانو کار پر اسٹیشن کی راہ لیتے ہیں اور اسٹیشن پر پہنچنے کے بعد دونوں ویٹنگ روم درجہ اول میں چلے جاتے ہیں۔ اور گاڑی کے آنے تک وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ قلی سب سامان لا لا کر رکھ دیتے ہیں۔ کالے خاں درجہ اول کے دو ٹکٹ اور ایک سرونٹ ٹکٹ خرید لاتا ہے۔ اسے ٹکٹ خرید کر لائے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوتی۔ کہ گاڑی پلیٹ فارم پر آ جاتی ہے۔ گاڑی کے آتے ہی مرزا

قاسم بیگ اور گہر بانو ویٹنگ روم سے نکل کر کمپارٹمنٹ درجہ اول میں سوار ہو جاتے ہیں۔ قلی سامان لا لا کر رکھ دیتے ہیں۔ آخر گاڑی کی روانگی کا وقت ہو جاتا ہے۔ سیٹی کی آواز آتے ہی ایک سیکنڈ میں گاڑی روانہ ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ فراٹے بھرنا شروع کرتی ہے۔ مرزا قاسم بیگ خوش خوش اور چشم نظارہ بیں سے محو سیر مناظر قدرت ہو جاتے ہیں۔ لیکن غم و اندوہ کی دنیا گہر بانو کے نفس کی آمد و شد کے ساتھ ہے۔ سلطان مرزا کی پرانی یاد دل کے گہوارہ میں کھیل رہی ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے۔ کہ میں گھر جا رہی ہوں۔ حالانکہ آج اس کی ناکام زندگی کی آخری منزلیں طے ہو رہی ہیں۔ اور وہ وہاں جا رہی ہے۔ جہاں اس کا پیارا سلطان اب بھی بے چینی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دو تین گھنٹوں کے لگاتار سفر کے بعد اچھی طرح رات ہو جاتی ہے۔ خورد و نوش سے فارغ ہونے کے بعد مرزا قاسم بیگ گہر بانو سے یوں مخاطب ہوتے ہیں)

مرزا قاسم بیگ (رسمی مسکراہٹ سے) کیوں پیاری بیگم کیا رائے ہے شاہدرہ سے جمنا پار کرتے ہوئے دہلی کیوں نہ چلیں (قدرے توقف کے بعد) بوٹ ٹرپ ہو جائے گی اچھی خاصی۔

گہر بانو:۔ (مصنوعی رسمی مسکراہٹ سے) رائے تو معقول ہے۔

مرزا قاسم بیگ:۔ اس میں بوٹ ٹرپ سے کیوں محروم رہیں (قدرے توقف کے بعد) گھر پہنچ کر پھر کہاں ممکن ہو گا۔ اور نہ ہو گا مناسب بھی۔

گہر بانو:۔ ہاں جی کیا کہیں گی امی جان (قدرے توقف کے بعد) شرم آئے گی۔ بڑی شرم

مرزا قاسم بیگ:۔ تو پھر طے ہے نہ؟

گہر بانو:۔ ہاں طے اور بالکل طے۔

مرزا قاسم بیگ :۔ کالے خاں کے کان میں بھی ڈال دینی چاہیئے یہ بات

گھر بانو :۔ ہاں ضرور (قدرے توقف کے بعد) نہایت ضروری ہے اسے بتانا تو ۔ (گاڑی کسی آنے والے اسٹیشن پر رکتی ہے ۔ گاڑی کے رکتے ہی کالے خاں حاضری دیتا ہے ۔)

مرزا قاسم بیگ :۔ کالے خاں

کالے خاں :۔ حضور

مرزا قاسم بیگ :۔ تمہاری بیگم صاحب یاد کر رہی تھیں تمہیں ۔

کالے خاں :۔ (گھر بانو کی طرف دیکھ کر) جی بیگم صاحب ارشاد

گھر بانو :۔ سُنا کالے خاں شارودا اسٹیشن ہی پر ٹرین چھوڑ دینگے ہم لوگ

کالے خاں :۔ (حیرت سے) شارودا اسٹیشن پر (قدرے توقف کے بعد) کیوں بیگم صاحب ۔

گھر بانو :۔ کیوں ؟ اس لئے کہ سیر بھی کرتے چلیں کشتی سے جمنا کی لگے ہاتھ

کالے خاں :۔ جو مرضی ہو ۔

گھر بانو :۔ تو سمجھ گئے نہ

کالے خاں :۔ جی بیگم صاحب سمجھ گیا ۔

گھر بانو :۔ جاؤ اب

(کالے خاں چلا جاتا ہے تھوڑی دیر کے بعد گاڑی حسب معمول پھر روانہ ہوتی ہے ۔ قصہ مختصر کئی گھنٹوں کے لگاتار سفر کے بعد گاڑی شارودا اسٹیشن پر پہنچتی ہے ۔ مرزا قاسم بیگ اور گھر بانو چشم زدن میں کمپارٹمنٹ کے باہر نظر آتے ہیں ۔ اور پھر بے وقتی استراحت ویٹنگ روم میں چلے جاتے ہیں ۔ تھوڑی دیر کے بعد کالے خاں آتا ہے)

کالے خاں:۔ بگھی کر لی۔ تشریف لے چلیے حضور۔

مرزا قاسم :۔ اچھا۔ اچھا۔

(قلی سامان بگھی پر رکھتے ہیں۔ اور مرزا قاسم بیگ مع اپنی ماہوش گل اندام بیوی کے فی الفور سوار ہو جاتے ہیں۔ کالے خاں قلیوں کو اُن کی خواہش سے زیادہ اُجرت دے کر رخصت کرتا ہے۔ اور بگھی گھاٹ کی جانب روانہ ہوتی ہے گھاٹ کے قریب پہنچتے ہی چند کشتیاں ساحل سے لگی کھڑی نظر آتی ہیں۔ کالے خاں ایک کشتی کی طرف جاتا ہے۔ بسوءِ اتفاق سے یہ کشتی وہی منحوس کشتی ہے جس پر نصیب سلطان مرزا کی نامراد زندگی کی آخری منزلیں طے ہوتی تھیں۔ یہ ملاح بھی وہی ملاح ہے۔ جس کی نگاہوں میں آجتک وہ ہولناک منظر کھیل رہا ہے۔ لیکن نہ ملاح کو یہ خبر ہے کہ آج اس کی کشتی پر گوہر بانو اس سے بھی زیادہ ہولناک منظر دکھانے آئی ہے۔ اور نہ گوہر بانو کو یہ خبر ہے کہ یہ ملاح وہی ملاح ہے۔ جس کی آنکھوں نے اُس کے باوفا جاں باز عاشق سلطان مرزا کی ناکام زندگی کا آخری منظر دیکھا ہے)

کالے خاں :۔ کشتی والے

ملاح :۔ (کشتی سے باہر آتے ہوئے) حضور

کالے خاں :۔ کشتی چاہیئے کشتی

ملاح :۔ حاضر ہے حضور (قدرے توقف کے بعد) حضور پوری کشتی ہوئے گی

کالے خاں :۔ بیوقوف کہیں کے۔ اتنے بڑے تو آدمی ہیں۔ پوری نہیں۔ ادھوری

ملاح :۔ اچھا اچھا حضور بھول ہوگئی۔ معاف کر دیجیے۔

(کالے خاں آگے آگے اور ملاح پیچھے پیچھے بگھی کی طرف جاتے ہیں۔)

کالے خاں:۔ بگھی کے پاس آگیا چلیے حضور۔ کشتی وہ سامنے لگی ہے۔

مرزا قاسم بیگ:۔ ہاں ہاں چلتے ہیں۔

(ملاح اور کالے خاں سامان کشتی پر رکھتے ہیں۔ کالے خاں بگھی والے کو کرایہ دے کر رخصت کرتا ہے۔ مرزا قاسم بیگ اور گھر بانو کشتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ کالے خاں جو صاحب اور بیگم صاحب کے برابر بیٹھنا بے ادبی سمجھتا ہے کشتی کے ایک گوشے میں ملاح کے برابر بیٹھ جاتا ہے آخر وہ منحوس کشتی روانہ ہوتی ہے)

مرزا قاسم بیگ:۔ (پیار کے لہجہ میں) پیاری بیگم

گھر بانو:۔ (مصنوعی تبسم سے) فرمایئے

مرزا قاسم بیگ:۔ (رسمی مسکراہٹ سے دبی زبان) بوٹ ٹرپ اور موہنی سانی

گھر بانو:۔ (تجاہل عارفانہ کے لہجہ میں) اس کا مطلب؟

مرزا قاسم بیگ۔ مطلب! (خاموش ہو جاتے ہیں۔

گھر بانو:۔ (تجاہل عارفانہ کے لہجہ میں رسمی مصنوعی مسکراہٹ سے) اور (قدرے توقف کے بعد) سمجھ گئی

مرزا قاسم بیگ:۔ تو شروع کرو نہ

گھر بانو:۔ گاتی ہوں۔ سنیے۔

(گھر بانو دل و جگر کے پار ہونے والا غم انگیز راگ چھیڑتی ہے۔ وہ گاتی جاتی ہے۔ اور اس کے دل کی دنیا ڈگمگاتی جاتی ہے۔ اشک غم جو پلک کے پردوں سے برآمد ہو ہو کر اپنی بہار بے خزاں دکھانا چاہتے ہیں۔ انہیں پاس شرم و حیا اور خیال اخفائے راز محبت سے آنکھوں ہی آنکھوں میں پیتی جاتی ہے۔ اور مرزا قاسم بیگ بلبل ہزار داستاں کے کیف آگیں نغمے کی سر ہلا ہلا کر داد

(دیتے جاتے ہیں)

گانا

کب تک رہ بیٹھے بیچ ڈگریا   ڈوب بھنور میں جیون نیّا
دیت ملن سندیش بھجریا   لے چل لے چل پی کی نگریا
پریم ہی سے ہے جیون جیون   پریم بِنا جنجال ہے تن من
دیت مِلن سندیش بھجریا   لے چل لے چل پی کی نگریا
من کا مندر۔ مندر بھاری   آشا پوجا پریم پجاری
دیت ملن سندیش بھجریا   لے چل۔ لے چل پی کی نگریا
نیتا من کو پریم سکھائے   مورکھ پریمی پران گنوائے
دیت مِلن سندیش بھجریا   لے چل۔ لے چل پی کی نگریا

(آخر گانا ختم ہوتا ہے اور حسرت نصیب گھر بانو جس کی زندگی کے صرف چند لمحے باقی رہ گئے ہیں۔ اور جو اپنے والہ و شیفتہ سلطان مرزا کی ہم بزم ہے اور درمیان میں چند انفاس کا پردہ حائل ہے۔ سکوت کے عالم میں ہو جاتی ہے۔ اب وہ مقام آجاتا ہے۔ جہاں عاشقِ مجبور یعنی کم نصیب سلطان مرزا نے دریا میں کود کر جان دی تھی)

ملاح:۔ (مرزا قاسم بیگ سے) حضور یہیں پر بیچارے سلطان مرزا نے پانی میں کود کر جان دی تھی۔

(یہ سنتے ہی گھر بانو بے قرار ہو جاتی ہے)

گھر بانو:۔ (بے قرار ہو کر تین بار چیخ کے) سلطان۔ سلطان۔ سلطان (پانی میں کود پڑتی ہے)

(آغوشِ موج میں آتے ہی گھر بانو کا طائرِ جان قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتا

ہے۔ عاشق و معشوق کے درمیان حائل رہنے والا پردہ فرقت اٹھ جاتا ہے۔ مدت کے بچھڑے ہوئے عاشق و معشوق آزادی کے چمن میں ہم آغوش ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کھلم کھلا ملتے ہیں۔ ملاح اور کالے خاں پانی میں کود پڑتے ہیں۔ ساحل پر اک شور قیامت بپا ہو جاتا ہے۔ بڑی چھان بین پر بھی گھر بانو کے حسین اور معصوم جسم کا پتہ نہیں چلتا۔ خدا جانے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی)

پردہ

باب سوئم

منظر ششم

(کلکتہ میں مرزا قاسم بیگ بیرسٹر کا بنگلہ۔

(مرزا قاسم بیگ ایک کوچ پر پُرنم آنکھیں اور اندوہ گیں دل لئے بیٹھے ہیں۔ عالم سکوت طاری ہے۔ مرزا سلیمان بیگ بیرسٹر اور مہر بانو بیگم کی ناعاقبت اندیشی پر نفرین کناں اپنی یکتائے روزگار پری چہرہ نازک اندام بیوی کی المناک موت پر خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ آخر آپ ہی آپ باتیں کرنے لگتے ہیں)

مرزا قاسم بیگ:۔ (خاموشی کو توڑ کر) آہ اے زر۔ ناپاک زر۔ بے

پاک زرے قاتل۔ قاتل۔ معصوموں اور بے زبانوں کا قاتل حسرتوں اور ارمانوں کا قاتل تو ہی ہے وہ بے درد تو ہی ہے۔ جس نے بنا ڈالی ناکامی کے افسانوں کی خاک چھنوائی بدنصیب عاشقوں سے جنگلوں اور بیابانوں کی۔ اے نوجوانوں کی ناؤ ڈبو دینے والے تھپیڑے۔ اے پھولوں کو اندر ہی اندر کھا جانے والے کیڑے۔ تو ہی ہے وہ زہریلی ہوا جس نے پھونک ڈال باغ کا باغ بدنصیب سلطان مرزا کی آرزوؤں کا تو ہی ہے۔ وہ بلا کی آندھی جس نے گل کر دیا چراغ۔ گھر بانو کی تمناؤں کا (فقرے۔ توقف کے بعد) اجڑ گئے وہ ہرے بھرے نخل ارمانوں کے۔ ویران ہو گئے وہ معمور دل انسانوں کے۔ یہ ہے دولت۔ یہ ہے امارت جس کے لئے دنیا جان دیتی ہے۔ (خاموش ہو جاتے ہیں۔ اتنے ہی میں بنگلے کی پشت سے ایک بھکارن کے گانے کی آواز آتی ہے۔ گانا سن سن کر بیتاب ہونے لگتے ہیں۔ آخر اٹھتے ہیں۔ اور باہر جا کر برآمدہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

گانا

واقف ہے وہی جو روتا ہے آنکھوں سے رواں کیا ہوتا ہے
سب خون کے آنسو کہتے ہیں اک خون کا دریا ہوتا ہے
محبّت کو یہ رسوا کرتا ہے رونا نہیں رونے والوں کا
جینے کا تو ساتھی کوئی نہیں مرجانے کا چرچا ہوتا ہے
ناشاد کا ماتم کر کے بپا کیا سوگ مناتی ہے دنیا
کیا دھوم سے رقص بسمل کا مقتل میں تماشا ہوتا ہے
گل روز کھلاتی رہتی ہے اُفتادِ رہِ اُلفت کیا کیا

جوسے کے تمنّا اٹھتا ہے پامال تمنّا ہوتا ہے

(آخر بھکارن گاتی ہوئی سامنے سے گزر جاتی ہے)

پردہ

طلوعِ مہرِ تاباں

سلسلہ

خروشِ جرسِ بانگِ درا

صحیفۂ حقِ نیّرہ حصّہ اوّل

مصنّفہ

مدرسی علامہ لسان تہمیت ذاکر حسن علامہ محمد اسحاق فاروقی رونق مدظلہ العالی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان و مغربی پاکستان ہائیکورٹ لاہور

مجموعۂ کلیات چشمۂ آبِ حیات، محور روزگار حسن و عشق، باغ و بہار حسن و عشق مرقع زلف و عارض و خال، شام ہجر و صبح وصل، افسانۂ شکایت ناکامی محبت، سوز و ساز، ہوس و حرمان و حسرت، سرگزشت لیلیٰ و مجنوں، بہار محمود و ایاز، داستان صبح و شام، راز و نیاز، نیرنگئ زمانہ، سنبل، ماجرائے پروانہ و شمع، روداد بلبل و گل، میخانۂ عرفان، بابِ تمنا، سحر و اعجاز، شمع محفل صوفیاں، چراغ بزم فلسفیاں، آیات صحیفۂ اکبر، گلشن حمد یزدانی، نعت محبوب سبحانی، گلدستۂ اخلاق حمیدہ، رہنمائے راہ سعادت، ترجمان اسرار و معانی، زندگانی اوراق پارینہ، حکایات قوم پروراں، رزم نامۂ مجاہدان، نگار خانۂ سپاہ و سپہ گری، کارگاہ مینائے فطرت، نگار خانۂ صناع قدرت، ساز نغمہائے فرنگ، تسخیر کیمیائے فن، خضر راہ حق۔

ملفوظات

پیش لفظ:۔ آنریبل مسٹر جسٹس سجاد احمد جان، جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور، صدر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

جائزہ:۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ ایم اے ڈی لٹ یونیورسٹی پروفیسر صدر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی، پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

ایرانی نظریہ:۔ استاذی احمد علی مہر پور مدیر خانۂ فرہنگ ایران لاہور

محققانہ رائے:۔ بشرفِ مرحوم و مغفور علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دیباچۂ انتخاب گلشن آشوب:۔ پروفیسر شیخ محمد نعیم الرحمٰن مرحوم

دیباچہ:۔ ڈاکٹر قطب الدین احمد ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان

حالاتِ مصنّف:۔ جناب سید مختار حسن بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور

کتابت طباعت دیدہ زیب سفید ورق مجلد رنگین سائز (۲۰×۳۰/۸) قیمت مجلد

ناشر

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور